

کشکول



خواجہ شمس الدین عظیمی

ملک شہزاد عظیمی کی اردو بازار لاہور



انتساب

سید روح نوجوان نسل کے نام

اور

اس دنیا سے اُس پار ماورائی دنیا میں

سفر کرنے والے حضرات و خواتین کے نام

جو

رحمت اللعالمین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

روحانی مشن کے لئے تن من دھن سب کچھ

قربان کر دینا چاہتے ہیں۔

عظیمی پرنسز

کاظم آباد ریلوے کراچی

آوازِ سرُوش

کائنات کیا ہے؟ — ایک نقطہ ہے — نقطہ نُور ہے اور نُور

روشنی ہے۔

ہر نقطہ کی ایک عکس ہے۔ عکس جب نور اور روشنی میں منتقل ہوتا ہے تو جسم مثالی بن جاتا ہے۔ جسم مثالی (AURA) کا مظاہرہ گوشت پوست کا جسم ہے۔

ہڈیوں کے نیچے پتھریں، پتھریں گوشت اور پتھریں پر کھڑی ہے۔ کھال اس عمارت کے اوپر پلاستر اور رنگ و روغن ہے۔ ویدوں، شریاؤں، اعصاب، ہڈیوں، گوشت اور پوست سے مرکب آدم زاد کی زندگی جو اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

جو اس کی تعداد پانچ بتائی جاتی ہے۔ جب کہ ایک انسان کے اندر ساڑھے گیارہ ہزار جو اس کام کرتے ہیں۔

آدم زاد کے دو روپ ہیں۔ ایک ظاہر روپ، دوسرا باطن روپ۔ باطن روپ میں روح کا عمل و فعل ہے۔ روح کائنات کے ہر ذرے میں مستقل گشت کرتی رہتی ہے۔ کائنات میں مٹی، خلیقات ہیں اور کائنات میں جتنے عناصر ہیں، جتنے ذرات ہیں، ہر ذرہ (CELL) روح کی تحریکات پر زندہ ہے۔

روح جب تک اپنا رشتہ جوڑے رہتی ہے زندگی مسلسل حرکت ہے اور جب روح جسم سے رشتہ توڑ لیتی ہے تو حرکت معدوم ہو جاتی ہے۔

روح کے لاکھوں، کروڑوں روپ ہیں اور ہر روپ ایک بہر روپ ہے — آدم زاد ایک طرہ روح ہے تو دوسری طرف روح کا بہر روپ ہے۔ روپ بہر روپ کی یہ کہانی ازل میں شروع ہوئی اور اب تک قائم رہے گی — یہ کہانی دراصل ایک ڈرامہ ہے۔ مختلف روپ (افراد) آتے ہیں اور ایسے ہی اپنے کردار (بہر روپ) کا مظاہرہ کر کے چلے جاتے ہیں۔

روپ بہر روپ کا یہ مظاہرہ ہی مافی، حال اور مستقبل ہے میں پچاس سال کا آدمی اصل بچپن، جوانی اور بڑھاپے کا بہر روپ ہوں۔

کہیں کی اینٹ، کہیں کا روٹا

بھان مٹی نے کنبہ جوڑا

میں نے پچاس سال میں تیس ہزار تین سو ساٹھ سو سورج دیکھے ہیں۔ ہر نیا سورج میرے بہر روپ کا شاہد ہے۔ تیس ہزار سے زیادہ سورج میری زندگی میں مافی، حال اور مستقبل کی تعمیر کرتے رہے — میں اب تنہا گیا ہوں — لیکن میرے ساتھ چپکے ہوئے مافی، حال اور مستقبل میرے روپ کے مزید بہر روپ بنائے جڑتند نظر آتے ہیں۔ روپ بہر روپ کی یہ داستان اُلٹا کر بھی ہے اور سرت آگیاں بھی۔ میں اس اُلٹا کر اور سرت آگیاں کر داروں کو گھاٹ گھاٹ پانی پی کر کاس گدائی میں جمع کرتا اور اب جب کہ کاس گدائی بسر ہو گیا ہے میں آپ کی خدمت میں روپ بہر روپ کی یہ کہانی پیش کر رہا ہوں۔

خواجہ شمس الدین عظیمی

یکم دسمبر ۱۹۹۶ء



نمبر	عنوان	نمبر	عنوان
۱	توانائی	۱۲	روحانی آدمی
۲	ایٹم	۱۵	سکون
۳	مشرق و مغرب	۱۶	خوف اور غم
۴	خلائی تار	۱۷	بچان
۵	بجی مٹی	۱۸	بندہ
۶	انجام	۱۹	انسو
۷	اوصاف	۲۰	اشد کے دوست
۸	وجہ دان	۲۱	ازدواج زندگی
۹	منزل	۲۲	اناکا ہسریں
۱۰	کائناتی تیشین	۲۳	خواب
۱۱	کیش چیک	۲۴	ڈائی
۱۲	فرشتے	۲۵	روح کا نام
۱۳	علم کتاب	۲۶	صورتیں

نمبر	عنوان	نمبر	عنوان
۲۷	فیروز شہر	۲۷	فریب نظر
۲۸	سرکل	۲۸	فن
۲۹	یقین	۲۸	پردہ
۳۰	ہوائی کرہ	۲۹	تاثرات
۳۱	ورائے لاشور	۵۰	آگ کا ستون
۳۲	ورثہ	۵۱	عسلا می
۳۳	فور	۵۲	حنا کدان
۳۴	نباتات و جمادات	۵۳	حصول
۳۵	نسیج	۵۴	ترقی یافتہ دور
۳۶	نور و نار	۵۵	سعید اور شقی
۳۷	نماز	۵۶	ہرجائی
۳۸	محاسبہ	۵۷	ہلاکت
۳۹	مادی و جسم	۵۸	منہج چہرے
۴۰	مستقبل	۵۹	مایا و اجال
۴۱	مشتقی	۶۰	مان باپ
۴۲	کتاب المبین	۶۱	کبر و نخوت
۴۳	قلندر شعور	۶۲	کاشت
۴۴	قنچی	۶۳	قانون
۴۵	قدرت کے راز	۶۴	قیام

تذکرہ	عنوان	صفحہ	تذکرہ	عنوان	صفحہ
۶۵	غفلت	۷۸	۸۴	محبت	۸۹
۶۶	مٹی کے ذرات	۷۹	۸۵	جنت اور دوزخ	۹۰
۶۷	علم طبعی	۸۰	۸۶	وجود	۹۰
۶۸	تفہیم	۸۱	۸۷	دوئی	۹۱
۶۹	بے شالی	۸۲	۸۸	تہ جئے نہ اُٹھے	۹۱
۷۰	آزاد پسرو فکر	۸۲	۸۹	ڈولفن	۹۲
۷۱	ڈوٹ پیوٹ	۸۳	۹۰	ندامت	۹۲
۷۲	ہبو ہبو	۸۳	۹۱	شعلے	۹۳
۷۳	ایک لاکھ چوبیس ہزار	۸۴	۹۲	منافقت	۹۳
۷۴	ضمانت	۸۴	۹۳	زینت	۹۴
۷۵	ایک ذات	۸۵	۹۴	مقدّر	۹۴
۷۶	پہلا اسکول	۸۵	۹۵	وسائل	۹۵
۷۷	آمانت	۸۶	۹۶	گمراہی	۹۵
۷۸	دوستی	۸۶	۹۷	آسمانی کتابیں	۹۶
۷۹	چھوٹ	۸۷	۹۸	لطیف	۹۶
۸۰	پرندے	۸۷	۹۹	نوںہال	۹۷
۸۱	حقوق	۸۸	۱۰۰	کائناتی حقیقت	۹۷
۸۲	ہمارا ورثہ	۸۸	۱۰۱	نصیحت	۹۸
۸۳	طاش	۸۹	۱۰۲	عفت	۹۸

تذکرہ	عنوان	صفحہ	تذکرہ	عنوان	صفحہ
۱۰۸	نصیحت	۱۲۲	۹۹	مسادات	۱۰۳
۱۰۹	عفريت	۱۲۳	۹۹	ہدایت	۱۰۴
۱۰۹	اطلاع	۱۲۴	۱۰۰	محسوس	۱۰۵
۱۱۰	عناصر	۱۲۵	۱۰۰	علم داہمی	۱۰۶
۱۱۰	الیس	۱۲۶	۱۰۱	ہنر	۱۰۷
۱۱۱	جانور	۱۲۷	۱۰۱	سعادت	۱۰۸
۱۱۱	جہالت	۱۲۸	۱۰۲	یل و ہنار	۱۰۹
۱۱۲	خیالی گھوڑا	۱۲۹	۱۰۲	کور چشم	۱۱۰
۱۱۲	دعا	۱۳۰	۱۰۳	لحد	۱۱۱
۱۱۳	باطنی اسلحہ	۱۳۱	۱۰۳	رشتہ	۱۱۲
۱۱۳	چھ رنگ	۱۳۲	۱۰۴	گھٹن	۱۱۳
۱۱۳	دست نگر	۱۳۳	۱۰۴	روٹین	۱۱۴
۱۱۴	اشد کا فضل	۱۳۴	۱۰۵	کارنامے	۱۱۵
۱۱۵	دل	۱۳۵	۱۰۵	حاکم محکوم	۱۱۶
۱۱۵	بے بھاشی	۱۳۶	۱۰۶	فرماں برداری	۱۱۷
۱۱۶	بھان مٹی	۱۳۷	۱۰۶	خوشی	۱۱۸
۱۱۶	چل چلاؤ	۱۳۸	۱۰۶	عذاب	۱۱۹
۱۱۷	آسان دزمین	۱۳۹	۱۰۷	پہرے	۱۲۰
۱۱۷	آزمائش	۱۴۰	۱۰۸	عبرت	۱۲۱

نمبر	عنوان	نمبر
۱۴۱	ایک دن	۱۱۸
۱۴۲	ایستادن	۱۱۸
۱۴۳	انگارے	۱۱۹
۱۴۴	انہارندامت	۱۱۹
۱۴۵	ترقی یافتہ ذہن	۱۲۰
۱۴۶	توکل	۱۲۰
۱۴۷	ایشار	۱۲۱
۱۴۸	تقرب	۱۲۱
۱۴۹	تقاضے	۱۲۲
۱۵۰	آزادی	۱۲۲
۱۵۱	آخرت حواس	۱۲۳
۱۵۲	بدی سکون	۱۲۳
۱۵۳	انسان	۱۲۴
۱۵۴	پہاڑ	۱۲۴
۱۵۵	پرواز	۱۲۵
۱۵۶	ڈرامہ	۱۲۵
۱۵۷	خوف	۱۲۶
۱۵۸	بارش	۱۲۶
۱۵۹	دور دراز	۱۲۷
۱۶۰	اذان	۱۲۷
۱۶۱	پڑھنا	۱۲۸
۱۶۲	حقیقت آگاہی	۱۲۸
۱۶۳	سچی خوشی	۱۲۹
۱۶۴	رسوائی	۱۲۹
۱۶۵	نامور	۱۳۰
۱۶۶	شعور لا شعور	۱۳۰
۱۶۷	ممکن	۱۳۱
۱۶۸	شہاریات	۱۳۱
۱۶۹	رابرہ بھری	۱۳۲
۱۷۰	ذہنی کیسوئی	۱۳۲
۱۷۱	کمپیوٹر	۱۳۳
۱۷۲	زنجیر	۱۳۳
۱۷۳	محکوم	۱۳۴
۱۷۴	کفران	۱۳۴
۱۷۵	مرشد	۱۳۵
۱۷۶	ویرانہ	۱۳۵
۱۷۷	طرز تعلیم	۱۳۶
۱۷۸	سانس	۱۳۶

نمبر	عنوان	نمبر
۱۷۹	ہمارا دوست	۱۳۷
۱۸۰	سود	۱۳۷
۱۸۱	محبوب	۱۳۸
۱۸۲	صراط مستقیم	۱۳۸
۱۸۳	مہربانی	۱۳۹
۱۸۴	نشیب و فراز	۱۳۹
۱۸۵	سلامتی	۱۴۰
۱۸۶	شرعی آواز	۱۴۰
۱۸۷	سمندر	۱۴۱
۱۸۸	بڑی بات	۱۴۱
۱۸۹	محدود	۱۴۲
۱۹۰	ضابطہ حیات	۱۴۲
۱۹۱	درائے بے رنگ	۱۴۳
۱۹۲	شہد کا پیالہ	۱۴۳
۱۹۳	شوہر	۱۴۴
۱۹۴	روشن لفظ	۱۴۴
۱۹۵	گرم پیریں	۱۴۵
۱۹۶	نجوم	۱۴۵
۱۹۷	قلب	۱۴۶

نمبر	عنوان	نمبر
۱۹۸	نام واپس	۱۴۶
۱۹۹	منہ	۱۴۷
۲۰۰	مندان	۱۴۷
۲۰۱	کندن	۱۴۸
۲۰۲	ماحول	۱۴۸
۲۰۳	کاروبار	۱۴۹
۲۰۴	موت کی آنکھ	۱۴۹
۲۰۵	نام و دنام	۱۵۰
۲۰۶	شاہدہ	۱۵۰
۲۰۷	کسان	۱۵۱
۲۰۸	لفظ	۱۵۱
۲۰۹	کم و سعت	۱۵۲
۲۱۰	مذہب	۱۵۲
۲۱۱	شان و شوکت	۱۵۳
۲۱۲	شاگرد	۱۵۳
۲۱۳	زندگی	۱۵۴
۲۱۴	شراب	۱۵۴
۲۱۵	حاصل	۱۵۵
۲۱۶	خسارہ	۱۵۵

نمبر	عنوان	نمبر	عنوان
۱۸۰	من مسرر (۲۷۰)	۱۷۵	کھڑرات (۲۵۵)
۱۸۱	نیلا پریت (۲۷۱)	۱۷۵	اہلی مشن (۲۵۶)
۱۸۱	طلمسم (۲۷۲)	۱۷۶	تشخص (۲۵۷)
۱۸۲	شیر اور بکری (۲۷۳)	۱۷۶	عطر بیز (۲۵۸)
۱۸۲	دعوت دین (۲۷۴)	۱۷۷	قدرت کے ہاتھ (۲۵۹)
۱۸۳	صوائف (۲۷۵)	۱۷۷	استغنا (۲۶۰)
۱۸۳	دو لکیریں (۲۷۶)	۱۷۷	بڑائی (۲۶۱)
۱۸۳	گرورش (۲۷۷)	۱۷۸	فارولا (۲۶۲)
۱۸۴	اشد کا زمین (۲۷۸)	۱۷۸	خدمت خلق (۲۶۳)
۱۸۴	فیضان (۲۷۹)	۱۷۸	معانی (۲۶۴)
۱۸۴	توقعات (۲۸۰)	۱۷۹	فلسفہ (۲۶۵)
۱۸۵	کھربوئی نیائیں (۲۸۱)	۱۷۹	انعام یافتہ (۲۶۶)
۱۸۶	طاقت (۲۸۲)	۱۷۹	خود شناسی (۲۶۷)
۱۸۶	امتحان (۲۸۳)	۱۸۰	فاضل عقل (۲۶۸)
○	○	۱۸۰	ایک قطرہ (۲۶۹)

نمبر	عنوان	نمبر	عنوان
۱۷۵	مراقبہ (۲۳۶)	۱۵۶	تفکر (۲۱۷)
۱۷۶	انسائیکلو پیڈیا (۲۳۷)	۱۵۶	تحقیق (۲۱۸)
۱۷۶	روح محفوظ (۲۳۸)	۱۵۷	جیوان فیض نالین (۲۱۹)
۱۷۷	اسکرین (۲۳۹)	۱۵۷	بہاؤ (۲۲۰)
۱۷۷	رضائے الہی (۲۴۰)	۱۵۸	خوشی (۲۲۱)
۱۷۸	تخت (۲۴۱)	۱۵۸	دافع بلیات (۲۲۲)
۱۷۸	فنا (۲۴۲)	۱۵۹	پچ اور جھوٹ (۲۲۳)
۱۷۹	تعقب (۲۴۳)	۱۵۹	ذاتی وصف (۲۲۴)
۱۷۹	فتنہ (۲۴۴)	۱۶۰	صناعی (۲۲۵)
۱۸۰	آزادی (۲۴۵)	۱۶۰	حاکم علی (۲۲۶)
۱۸۰	کشش (۲۴۶)	۱۶۱	عالمین (۲۲۷)
۱۸۱	ملائکہ (۲۴۷)	۱۶۱	جہاڑو (۲۲۸)
۱۸۱	آسمان (۲۴۸)	۱۶۲	آفات (۲۲۹)
۱۸۲	تفاسیر (۲۴۹)	۱۶۲	کفالت (۲۳۰)
۱۸۲	مستدار (۲۵۰)	۱۶۳	احسان کستری (۲۳۱)
۱۸۳	نفرت (۲۵۱)	۱۶۳	گوئیجے بہرے (۲۳۲)
۱۸۳	ناشاد (۲۵۲)	۱۶۴	نسلی شخص (۲۳۳)
۱۸۴	اسراف (۲۵۳)	۱۶۴	نمونہ (۲۳۴)
۱۸۴	لاش (۲۵۴)	۱۶۵	برتری (۲۳۵)

①

آسمانی کتابوں کے مطابق سکون حاصل کرنے کا مؤثر طریقہ یہ ہے کہ انسان غصہ نہ کرے اور کسی بات پر بیچ و تاب نہ کھائے۔ عملی جہد و جہد میں کوتاہی نہ کرے اور نتیجے کے اوپر نظر نہ رکھے۔ زمین پر بسنے والی قومیں زندگی کے جن اصولوں پر کاربند ہیں ان کا مطالعہ کرے۔ قانونِ فطرت میں کہیں بھول نہیں ہے۔ جہر پزیر وقت کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی ہے۔ وقت جس طرح سے چابی بھرتا ہے شے حرکت کرنے لگتی ہے۔ وقت اپنا رشتہ توڑ لیتا ہے تو کھلونے میں چابی ختم ہو جاتی ہے۔ کل پرزے سب ہوتے ہیں لیکن قوت (ENERGY) باقی نہیں رہتی۔ وقت قوت کا مظاہرہ ہے۔ قوت ایک توانائی ہے، ایک مرکز ہے اور اسی مرکز کو آسمانی کتابیں قدرت کے نام سے متعارف کراتی ہیں۔ قدرت ایک ایسا مرکزی نقطہ ہے جس نقطے کے ساتھ پوری کائنات کے افراد بندھے ہوئے ہیں۔ وجود اور عدم دونوں اس میں گم ہیں۔ انسان جب کائنات کے مرکزی نقطے سے اپنا رشتہ تلاش کر لیتا ہے اور خالق کائنات کو جان لیتا ہے تو دنیا سے اس کی ساری توقعات ختم ہو جاتی ہیں اور جب ایسا ہو جاتا ہے تو ستریں اس کے گرد طواف کرتی ہیں اور موت کی آنکھ اسے مامتا سے دیکھتی ہے، اس کے قریب آنے سے پہلے دستک دیتی ہے اور اجازت کی طلب گار ہوتی ہے۔

②

کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا بار بار یا زیادہ صحیح اندازوں کے مطابق ۱۶ مرتبہ تباہ ہو کر دوبارہ آباد ہوئی ہے۔ رخنہ بھورت، زلزلین، یانغ و بہار سے مزین، پرکشش برفانی کساروں، موتی کی طرح چمکتے دھلتے آبناروں، آفتاب کی شعاعوں اور چاند کی کرنوں کا مسکن یہ دنیا اب پھر چالیس ہزار اسیٹھ برسوں کی زد میں موت کے دہانے پر کھڑی مانپ رہی ہے۔ یہ کیسی ترقی ہے کہ ہم نے آتش فشاں کو اپنا مسکن بنایا ہے۔ بالآخر ترقی کا یہ فسوں ایک دن ٹوٹ جائے گا۔ اس سے پہلے بھی ہوتا رہا ہے کہ وہ قومیں جو فنا اور بقاء کے فارمولوں سے نا آشنا ہو گئی تھیں زمین پر سے اٹھالی گئیں اور آج ان کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا۔ ذرا سوچیے تو سہی، تباہی ہمارے تعاقب میں ہے اور ہم اُسے ترقی کا نام دے کر خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔ ایک روز فسوں ساز لوگوں کو یہ باور کرنا ہو گا کہ ایسی ہتھیار نوبہ انسانی کے لئے ترقی نہیں بلکہ انسانی نسل کے لئے کبھی بھٹی ہے۔ یہ اربوں کھربوں ڈالر نوبہ انسانی کی بقاء اور خوشحالی کے کام آتے مگر انسان دشمن سائنسدانوں نے ان ڈالروں کو بھٹی میں جھونک دیئے ہیں کوئی نجات دہندہ آئے گا اور آتش گیر فسوں کو راکھ کے ڈھیر میں بدل دے گا تاکہ نوبہ انسانی سکون و آشتی کا سانس لے سکے۔

(۳)

شعوری خواہ اس میں کام کرنے والی ہر مثلث (TRIANGLE) ہوتی ہیں۔ اور لاشعوری خواہ اس میں کام کرنے والی ہر دائرہ (CIRCLE) ہوتی ہیں۔ زمین کی حرکت دو رخ پر قائم ہے۔ ایک رخ کا نام طولانی حرکت ہے اور دوسرے رخ کا نام محوری حرکت ہے یعنی زمین جب اپنے مدار پر حرکت کرتی ہے تو وہ طولانی گردش میں ترہی ہو کر چلتی ہے اور محوری گردش میں لٹو کی طرح گھومتی ہے۔ طولانی گردش مثلث ہے اور محوری گردش دائرہ ہے۔ ہماری زمین پر تین مخلوق آباد ہیں۔ انسان جنات اور ملائکہ عنقریب۔ انسان کی تخلیق میں بحیثیت گوشت پوست مثلث غالب ہے۔ اس کے برعکس جنات میں دائرہ غالب ہے اور فرشتوں کی تخلیق میں جنات کے مقابلے میں دائرہ زیادہ غالب ہے۔ انسان کے بھی دو رخ ہیں۔ غالب مثلث اور مغلوب رخ دائرہ۔ جب کسی بندہ پر مثلث کا غلبہ کم ہو جاتا ہے اور دائرہ غالب آجاتا ہے تو وہ جنات، فرشتوں اور دوسرے سیاروں میں آباد مخلوق سے متعارف ہو جاتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ متعارف ہو جاتا ہے بلکہ ان سے گفتگو بھی کر سکتا ہے۔ طولانی گردش مشرق اور مغرب کی سمت میں سفر کرتی ہے اور محوری گردش شمال سے جنوب کی طرف رواں دواں ہے۔

(۴)

چند خلا باز خلا میں جا چکے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سوسیل سے زیادہ بلندی پر بالکل بے وزنی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اب صحیح صورت حال سمجھنا چاہیں تو یہ نظر آئے گا یا یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ ساڑھے تین ارب انسان اور چلنے پھرنے والے چوپائے سب کے سب ٹانگوں کے بل زمین سے نکلے ہوئے ہیں۔ ہر انسان یہ کہتا ہے کہ میں زمین پر پیروں کے بل چل رہا ہوں۔ غور کیجئے وہ کتنی غلط بات کہہ رہا ہے۔ جب سے نوع انسانی آباد ہے وہ تمام لوگ جن پر حقیقت منکشف نہیں ہوئی ہے۔ یہی کہتے ہیں، یہی سمجھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب آدمی پیروں کے بل نکل رہا ہے تو چل کیسے سکتا ہے۔ نکلنے کی حالت بالکل جبری ہے۔ جبری حالت میں اس کا ارادہ بے معنی ہے اس لئے کہ اس کی اپنی کوئی حرکت ممکن نہیں۔ یہ بات تو قرین قیاس ہے کہ جن ناروں میں اس کے پیر بندھے ہوئے ہیں وہ تار حرکت کرتے ہوں لہذا ان کے ساتھ پیر کی حرکت کرتے ہوں۔ ان تاروں کے انسان کے رائے کا کیا تعلق جبکہ انسان کو ان تاروں کا کوئی علم ہی نہیں۔ باوجود اتنی صریح غلطیوں کے وہ دعوے کرتا ہے کہ میرا سر بلندی کی طرف ہے اور میرے پیر سستی کی طرف اور میں چلتا پھرتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو ایک بتو بنالیا ہے اور کہتا ہے کہ یہ بتو حقیقت ہے۔

۵) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "یہ کتاب ان لوگوں کو روشنی دکھائی ہے جو اپنے اندر اللہ کے بارے میں ذوق رکھتے ہیں" دوسری جگہ ارشاد ہے "میں نے انسان کو کچھ مٹی سے بنایا ہے"

یہاں مٹی کی فطرت (NATURE) بیان کی گئی ہے جو خلا ہے۔ یہ بات سمجھنا بہت آسان ہے کہ ذوق میں نہ وزن ہوتا ہے نہ ذوق کے لئے فاصلہ کوئی معنی رکھتا ہے، نہ ذوق زمین و آسمان کی حدود کا پابند ہے، نہ اُسے وقت پابند بنا سکتا ہے۔ یہی ذوق چلتا پھرتا ہے۔ یہ بات مزور ہے کہ انسان اس سے اس وقت تک متعارف نہیں ہوتا جب تک اس سے تعارف حاصل نہ کر لے۔ جب تعارف حاصل کر لیتا ہے تو اُسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہی ذوق انسان ہے۔ یہ پوری کائنات میں آزاد ہے، فرشتوں کا سربراہ ہے، اللہ کی بہترین صنعت ہے اور کائنات میں اللہ کا نائب ہے۔ نہ وہ پیروں سے چلنے اور ہاتھوں سے پکڑنے کا پابند ہے، نہ وہ آنکھوں سے دیکھنے اور کانوں سے سننے کا محتاج ہے۔ یہ ساری خرافات انسان نے آپ ہی تخلیق کی ہیں اور آپ ہی دھول بکاتا پھرتا ہے کہ ہائے میں تو بالکل مجبور ہوں۔

۶) یہ زمانہ جس میں ہم اور آپ یکساں طور پر کشمکش اور ابتلا کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور جہاں ہر طرف مادیت کی یلغار ہے، بتدریج اپنے انجام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ مادیت کی تیز روشنی میں بصارت کی خیرگی اور دل سوز عین ہے مگر رُوح کی لطافت اور بصیرت کی نمی نہیں ہے۔ جس طرح مادیت کو قرار اور دوام نہیں ہے، اسی طرح مادیت کی بنیاد پر جو عمارت تعمیر ہو گی وہ دیر یا سویر ضرور زمیں بوس ہو جائے گی۔ یہ نظام قدرت ہے اور کوئی اس کا ٹور نہیں۔

مسلمانوں کے اوپر فرض ہے کہ وہ دنیاوی فنون و کمالات حاصل کر کے خود کو بلند ترین مقامات پر فائز کرنے کے لئے کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھیں مگر اس کے ساتھ حقیقت بھی فراموش نہ کی جائے کہ یہ مادی اور مادی ترقی اور خوش حالی ہی زندگی کا مقصد نہیں ہے۔ بہارِ چشم سے زیادہ بصیرتِ قلب پر فکری اور عملی توجہ مرکوز کرنی چاہیے بقول علامہ اقبالؒ

دل بنایا بھی کر شد اسے طلب
آنکھ کا نورِ دل کا نور نہیں

(۷) اللہ تعالیٰ کا ہر اسم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہر صفت قانون قدرت کے تحت فعال اور متحرک ہے۔ ہر صفت اپنے اندر طاقت اور زندگی رکھتی ہے۔ جب ہم کسی اسم کا ورد کرتے ہیں تو اس اسم کی طاقت اور تاثیر کا ظاہر ہونا ضروری ہے۔ اگر مطلوبہ فوائد حاصل نہ ہوں تو ہمیں اپنی کوتاہیوں اور پڑھنا طرز عمل کا جائزہ لینا چاہیئے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ علاج میں دوا کے ساتھ پریز ضروری ہے اور بد پریز میسر سے دوا غیر موثر ہو جاتی ہے۔ کوتاہیوں اور غلطیوں کے مرنے میں جو پریز ضروری ہے وہ یہ ہے۔ حلال روزی کا حصول، جموٹ سے نفرت، بک سے محبت، اللہ کی مخلوق سے ہمدردی، ظاہر و باطن میں یکسانیت، منافقت سے دل بیزاری، فساد اور شر سے استرازا، غرور و تکبر سے اجتناب، کوئی منافق، سخت دل، اللہ کی مخلوق کو کمتر جاننے والا اور خود کو دوسروں سے برتر سمجھنے والا بندہ اسمائے الہیہ کے خواص سے فائدہ نہیں حاصل کر سکتا۔ کسی اسم کا ورد کرنے سے پہلے مذکورہ بالا صلاحتوں اور اوصاف کو اپنے اندر پیدا کرنا ضروری ہے۔

(۸) جب تک مذہب اور خدا کے بارے میں ہمارے اندر فلسفی انداز اور منطقی استدلال موجود رہتا ہے ہم کسی نتیجہ پر نہیں پہنچتے اس لئے کہ مادہ ہستی کو سمجھنے کے لئے مادہ رائی شعور کا ہونا بھی ضروری ہے۔ پس ثابت یہ ہوا کہ مذہب مادہ رائی ہستی اور صداقت کی اصل اساس ہمارا غیر شعوری عقیدہ اور وجدان ہے۔ جب ہم وجدان میں قدم بڑھا دیتے ہیں تو فطرت ہماری رہنمائی کرتی ہے اور عقل اس کی پیروی کرتی ہے۔ یہ بات مشاہدہ میں ہے کہ جن لوگوں کے اوپر وجدان کی دنیا روشن ہو گئی ان لوگوں کے اندر خدا کے عدم وجود کے بارے میں خواہ کیسے بھی بلند دلائل پیش کیئے گئے ان کے عقیدے میں اور ان کی طرز فکر میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ یہ حقیقت اس طرف راہ نمائی کرتی ہے کہ وجدان ایک ایسا عالم ہے جس عالم میں ہر لمحہ، ہر آن حقیقتیں عکس ریزہ ہوتی رہتی ہیں۔ عالم وجدان میں سفر کرنے والا مسافر وہ سب کچھ دیکھ لیتا ہے جو عقل کی پہنائیوں میں گم رہنے والا بندہ نہیں دیکھتا۔

۹ جب اُن کے سامنے آیات الہی کی تفسیر پیش کی جاتی ہے تو اُن کے سینے متور ہو جاتے ہیں۔ (سورۃ انفال) تاریکیوں سے نکلنے، حزن و ملال کی زندگی سے آزاد ہونے، اقوامِ عالم میں مقتدر ہونے، دل و دماغ کو انوارِ الہیہ کا نشیمن بنانے، نظامِ ربوبیت اور خالقیت کو سمجھنے کے لئے صحیفہ کائنات کے ذرے ذرے کا مطالعہ کرو۔ صحیفہ کائنات کے ایک ایک جزو کی تشریح قرآن میں موجود ہے قرآن جہاں تسخیر کائنات کے فارمولوں کی دستاویز ہے وہاں انسانی زندگی کے لئے ایک دستور ہے۔ اس دستاویز میں ایسے راستوں کی نشاندہی کی گئی ہے جن پر چل کر ذلت و عرت میں، شکست و فتح میں، کمزوری و قوت میں، بد حالی و خوش حالی میں اور انتشار و وحدت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اللہ کا قانون ہمہ گیر ہے، سب کے لئے ہے۔ جس طرح ہر آدمی متعین فارمولے سے کوئی چیز بنالیتا ہے، اسی طرح صحیفہ ہدایت میں غور و فکر کر کے اپنے لئے ایک منزلِ معین کی جاسکتی ہے۔

۱۰ روحانیت میں غیب کے مشاہدے کی ایک نظر ”سیر“ ہے۔ سیر کی آنکھ یہ دیکھتی ہے کہ کائنات کا سارا یکجائی پر دو گرام لوح محفوظ پر نقوش ہے اور لوح محفوظ کا منقوش پروگرام خالق کائنات کی نگاہ سے بے شمار زینوں (SCREENS) پر ڈھیلے ہوا ہے۔ تقریباً ساڑھے گیارہ ہزار لوہیں اور انسانی شماریات سے زیادہ ان لوہوں کے افراد کائنات کے کل پُرزے ہیں۔ یہ کائناتی مشین ایک دائرے (CIRCLE) میں چل رہی ہے۔ جزو لا تجزئی وجود سے اس کی حرکت شروع ہوتی ہے اور مادہ اسی کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ آسمان، زمین، درخت، پہاڑ، چرندے، پرندے، حشرات الارض، فرشتے، جنات اور انسان سب اس عظیم نشانِ نظام کے اجزاء ہیں جن کے اشتراک سے حرکت کا منظم سلسلہ جاری و ساری ہے۔ البتہ انسان ایسا واحد فرد ہے جو نظام کائنات کی میکانزم سے واقف ہے۔ باقی مخلوق اس میکانزم سے واقفیت نہیں رکھتی۔

۱۱) بات کچھ اس طرح ہے کہ ایک آدمی کے لئے پیدا کرنے والی ہستی نے ایک لاکھ روپے جمع کرائے اسی طرح جیسے ایک لاکھ روپے کسی بینک میں جمع کر دیئے جاتے ہیں۔ وسائل کو استعمال کرنے کے لئے آدمی کو شش اور جدوجہد کرنا ہے۔ کوشش اور جدوجہد جیسے جیسے کامیابی کے مراحل طے کرتی ہے اس کو روپیہ ملتا رہتا ہے اور ضرورت پوری ہوتی رہتی ہے۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ اٹل ہے کہ اگر کائناتی قسمل (لوہ محفوظ) میں وسائل کا ریکارڈ اور زرمبادلہ متعین نہ ہو تو ڈسپلے (DISPLAY) ہونے والی فلم نامکمل رہے گی۔ ایک آدمی کے نام سے بینک میں کروڑوں روپے کا زرمبادلہ موجود ہے لیکن اگر وہ اسے استعمال نہ کرے تو یہ زرمبادلہ اس کے کام نہیں آئے گا۔ کوشش اور جدوجہد دراصل چیک کی حیثیت رکھتی ہے جس طرح چیک لکھ کر بینک سے روپیہ نکلوایا جاتا ہے اسی طرح معاش کے حصول میں جدوجہد لوہ محفوظ سے وسائل حاصل کرنے کے لئے نکش چیک ہے۔

۱۲) اگست کا سورج جوں ہی افق سے نمودار ہوا، اس کی شعاعوں میں ایک پیغام تھا کہ ایک قوم دوسری قوم سے آزادی حاصل کر کے اپنی نسل کے لئے ایک فلاحی مملکت قائم کرے۔ بھوک اور تنگی قوم پر قدرت نے اپنے خزانے کھول دیئے تاکہ قوم وسائل کی کمی کا شکوہ نہ کرے اور قوم کے فلاحی کاموں میں کوئی رخنہ درانداز نہ ہو۔ ایک نسل ختم ہوگئی۔ ایک نسل جوان ہو کر بڑھا ہے کی طرف گامزن ہے اور ایک نسل جوان ہو رہی ہے۔ تینوں نسلوں کو فرشتے ترغیبی پر دگرام INSPIRE کرتے رہے مگر جیسے جیسے قدرت کا انعام عام ہوتا رہا، قوم کے اندر زراور زمین کی ہوس بڑھتی گئی اور یہ حرم دہوس قوم کے حجم کے لئے ناسور بن گئی۔ قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ دھرتی پر وہی قومیں زندہ رہتی ہیں جو اپنے ماضی کو یاد رکھتی ہیں اور حال میں کئے ہوئے اعمال کا محاسبہ کرتی ہیں۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ نے انسان کو ساکت و صامت پتھر نہیں بلکہ بولتا، چلتا پھرتا، کھاتا پیتا، سوچتا سمجھتا انسان بنایا ہے۔ فرش سے فرش تک اس کا ایک قدم ہے۔ سوئی کاروزن اور آسمانوں کی کھلی فضا، ایک ستارے سے دوسرے ستارے تک کا فاصلہ اس کے لئے ایک مٹھی رکھتا ہے۔ وہ نہ کہیں رکتا ہے نہ راستہ کھوٹا کرتا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ وہ خود کو جانتا نہیں کہ میں کیا ہوں اور کائنات کیا ہے۔ حضورؐ کا نوع انسانی پر یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ انہوں نے ان تمام رازوں کو واشگاف کر کے رکھ دیا۔ یہ سب راز انہوں نے از خود منکشف نہیں کر دیئے تھے بلکہ ان پر اللہ نے کھولے۔ من و عن انہوں نے قرآن کی صورت میں ریکارڈ کر دیا۔ انہوں نے ساری زندگی کی جفاکش سہہ کہ اس امانت کو نوع انسانی کے حوالے کیا تو نوع انسانی نے جو قدر کی ہے وہ ظاہر ہے۔ اللہ نے اسی علم کو کتاب کا علم فرمایا ہے۔ ہر انسان اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے چاہے اس کا نام زید ہو، بکریا عمر ہو۔

(۱۴) مراقبہ کے ذریعے انسان عالم ظاہر کی طرح عالم باطن کی دنیا سے روشناس ہوتا ہے۔ جب سالک غیب کی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے تو جس طرح وہ عالم ناموت یا اس دنیا میں زندگی گزارتا ہے اور زندگی کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے اسی طرح وہ غیب کی دنیا میں نظام شمسی اور بے شمار اخلاک کو دیکھتا ہے، فرشتوں سے متعارف ہوتا ہے۔ اس کے سامنے وہ تمام حقائق آجاتے ہیں جن حقائق پر یہ کائنات تخلیق ہوئی ہے۔ وہ یہ بھی دیکھ لیتا ہے کہ کائنات کی ساخت میں کس قسم کی روشنیاں برسرِ عمل ہیں ان روشنیوں کا منبع (SOURCE) کیا ہے، یہ روشنیاں کس طرح تخلیق ہو رہی ہیں افراد کائنات میں کس طرح تقسیم ہو رہی ہیں اور روشنیوں کی مقداروں کی رد و بدل سے کائنات کے نفوش کس طرح بن رہے ہیں۔ روحانی آدمی کی آنکھ یہ بھی دیکھ لیتی ہے کہ روشنیوں کا منبع انوار ہیں۔ پھر اس پر وہ تخلیقی بھی منکشف ہو جاتا ہے جو روشنیوں کو سمیٹنے والے انوار کی اصل ہے۔

(۱۵) منفی سوچ اتنی زیادہ عام کیوں ہے کہ آدمی ان چیزوں سے خوش نہیں ہوتا جو اسے حاصل ہیں۔ ان خواہشات کے پیچھے کیوں سرگرداں ہے جن کے حصول میں وہ اعتدال کی زندگی سے رُود گردانی پر مجبور ہے۔ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ ہم صبر و استغنا کی نعمتوں سے محروم ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ جو لوگ صابر و شاکر اور مستغنی نہیں ہیں فانی کائنات سے دور ہو جاتے ہیں۔ سکون و عافیت اور اطمینان قلوب و بے پردوں میں پھٹک جاتے ہیں۔

سکون اور خوشی کوئی خارجی شے نہیں ہے۔ یہ ایک اندرونی کیفیت ہے۔ اس اندرونی کیفیت سے جب ہم آشنا ہو جاتے ہیں، سکون و اطمینان کی بارش ہونے لگتی ہے۔ بعدہ اس ہمہ گیر طرز فکر سے آشنا ہو کر مصیبتوں، پریشانیوں اور غمناک زندگی سے رستگاری حاصل کر کے اس حقیقی مسرت اور شادمانی سے واقف ہو جاتا ہے جو بند دل کا حق اور ورثہ ہے۔

(۱۶) قانون یہ ہے کہ ڈر اور خوف دو انسانوں کے درمیان، انسان اور درندوں کے درمیان، انسان اور سانپ کے درمیان دُوری اور بُسبکی دیوار کمر لہی کر دیتے ہیں۔ اس کے متغیر محبت سے قربت کا احساس وجود میں آتا ہے۔ اللہ بھگوان نروان، گاڈ (god)، ایل ایلیا، مادراہستی ہر خاص و عام کی سرپرست ہے، نگراں ہے، ابتدا ہے اور انتہا ہے۔ خوف نگراں ذات سے بندہ کو عمیق سمندر میں پھینک دیتا ہے۔ محبت سے قربت کا احساس جنم لیتا ہے۔ مادراہستی اللہ سے مثنیٰ محبت کی جلائے وہ ہستی اسی مناسبت سے دس گنا بندے کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ دوستی کا وصف قربت ہے نہ کہ دُوری۔ دوست کو دوست سے نہ خوف ہوتا ہے اور نہ غم۔ آدم اور نوا کے بیٹوں اور بیٹیوں کو عہد کرنا چاہیے کہ مادراہستی اللہ سے آج کے بعد ڈریں گے نہیں، اس سے محبت کریں گے اس لئے کہ مادراہستی خود اعلان کر رہی ہے کہ اللہ کے دوستوں کو نہ خوف ہوتا ہے اور نہ غم ہوتا ہے۔

آدم کو مٹی سے بنایا ہے تو ہر آدمی مٹی سے بنا ہے اور ہم مٹی کو مٹی میں دفن کر دیتے ہیں۔ ایک حسین مورتی جس کے مٹن پر سبھی لوگ جان دیتے ہیں اور والد و شیدا بنے رہتے ہیں اصل میں مٹی کے ذرات سے مرکب ہے۔ محبت کی شراب پیتے والے جس پیالے میں شراب پیتے ہیں وہ پیالہ اسی مٹی سے بنا ہے۔ قدرت کی کرشمہ سازی بھی کیا خوب ہے کہ ایک ہی مٹی سے مختلف شکلیں بناتی رہتا ہے۔ اور پھر اسی مٹی میں ملا کر مٹا دیتا ہے۔ اور پھر بنا دیتا ہے۔ تخلیق کے اس عمل میں واضح نشانیاں ہیں جو فی الواقع خالق کائنات کو جاننا اور پہچاننا چاہتے ہیں۔ آدم کی افساد طبع بھی عجیب ہے کہ اس نے چمک دمک رکھنے والی شراب کی نہروں کو جنت میں دیران چھوڑا، قسم قسم کے پھول اور باغوں میں پرندوں کی چہکار کو بھی خیر باد کہہ دیا۔ آدم کی ایک بات یا ایک چیز قانون نہیں رہتا۔ اس کا جنت میں رہتے رہتے جب جی گھبرانے لگا تو اسے چھوڑ کر زمین پر آگیا اس کے مزاج میں ہر آن اور ہر لمحہ تغیر اور تبدل ہے۔

بندے کے اوپر اللہ کا یہ حق ہے کہ بندے کو اللہ کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل ہو۔ اس کا دل اللہ کی محبت سے سرشار ہو۔ اس کے اندر عبادت کا ذوق اور اللہ کے عرفان کا تجسس کر دین لیتا ہو۔ بندے کا اللہ کے ساتھ اس طرح تعلق استوار ہو جائے کہ بندگی کا ذوق اس کی رگ رگ میں رچ بس جائے اور بندہ اپنے پورے ہوش وحواس کے ساتھ جان لے کر میرا اللہ کے ساتھ ایک ایسا رشتہ ہے جو کسی آن کسی لمحے اور کسی وقفے میں نہ ٹوٹ سکتا ہے نہ معطل ہو سکتا ہے نہ ختم ہو سکتا ہے۔ یہ بات بھی حقوق اللہ میں شامل ہے کہ بندہ اس بات سے باخبر ہو اور اس کا دل اس کی تصدیق کرے کہ میں نے عالم ارواح میں اس بات کا اہم کیا ہے کہ میرا رب مجھے بنانے والا، خدا و خالق جس کی پرورش کرنے والا اور میرے لئے وسائل فراہم کرنے والا اللہ ہے اور میں نے اللہ سے اس بات کا اہم کیا ہے کہ میں زندگی خواہ کسی عالم میں ہو، آپ کا بندہ ہو کر گزاروں گا۔

کون کہتا ہے کہ دولت پرستی اور بیت پرستی دو الگ الگ باتیں ہیں۔ پتھر دل کو پوجنا یا سونے کو پوجنا ایک ہی بات ہے۔ بُت بھی پتھروں اور مٹی سے تخلیق کئے جاتے ہیں اور سونا چاندی بھی مٹی کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ سونے چاندی اور جواہرات کی محبت نے قوم کو اندھا کر دیا ہے۔ دولت کا ذخیرہ شرافت اور خاندان کا مہربان بن گیا، ہو بس زر نے انسانی قدریں پامال کر دیں۔ اخلاق، نجابت اور قومی روایات سب طے کا ڈھیر بن گئی ہیں۔ موت کے بعد زندگی پر سے یقین اٹھ گیا ہے۔ ساری قوم بابر بعیش کو کش کر عالم دوبارہ نیست کی تفسیر بن گئی۔ روحانی قدردن کو ذبح کر کے اخلاقی برائیوں کو جہنم دیا جا رہا ہے۔ اللہ کے دوست جب اس کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں تو قوم کانوں میں روٹی اور منہ میں گنگھیناں ڈال کر بیٹھ جاتی ہے۔ قوم کے نیک باطن افراد انسو بہاتے ہیں اور شیطان اپنی کامرانی پر قہقہے لگاتا ہے۔

جسم کے تقاضوں کی طرح انسان کی رُوح میں بھی تقاضے ہوتے ہیں۔ رُوح کے تقاضے بھی انسانی شعور کو یہ احساس دلاتے ہیں کہ ان تقاضوں کی تکمیل ہونی چاہیے۔ روحانی تقاضے اور ان کی تکمیل جسمانی تقاضوں سے زیادہ اہم اور نیتیرہ خیر ہوتی ہیں۔ ان کے نتائج جسمانی تقاضوں کے مقابلے میں زیادہ مسلسل اور عظیم الشان ہوتے ہیں۔

روحانی تقاضوں میں سب سے اہم اور سب سے زیادہ بنیادی تقاضہ جو ہر انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے وہ انسان کو احساس دلاتا ہے کہ اسے اپنے خالق سے رابطہ پیدا کرنا چاہیے اور اسے ان خوشیوں اور مسرتوں سے بہرہ مند ہونا چاہیے جو کہ اس رابطے اور قربت کا لازمی نتیجہ ہے کہا گیا ہے کہ اللہ کے دوستوں کو نہ خوف ہوتا ہے، نہ غم۔ (القرآن)

بُردباری، تحمل اور حکمت کی روش یہ ہے کہ آدمی درگزر سے کام لے اور اپنی بیوی کے ساتھ خوش دلی سے نباہ کرے۔ ہو سکتا ہے اللہ اس عورت کے ذریعے مرد کو ایسی بھسلائیوں سے نواز دے جن تک مرد کی پہنچ نہ ہو۔ دیانتدار عورت اپنے ایمان، سیرت اور اخلاق کے باعث پورے خاندان کے لئے رحمت ہے۔ اس کی ذات سے کوئی ایسی سعید روح وجود میں آسکتی ہے جو ایک عالم کے لئے مشعل راہ بن جائے۔ اچھی اور نیک فہمیت بیوی مرد کی اصلاح حال کے لئے ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ بیوی خاندان کو جنت سے قریب کر دیتی ہے۔ اس کی قسمت سے دنیا میں حتمی کام کو رزق اور خوش حالی سے نوازتا ہے۔ عورت کے کسی ظاہری عیب کو دیکھ کر بے مبری کے ساتھ ازدواجی تعلق کو بر باد نہ کیجئے بلکہ حکیمانہ طرزِ عمل سے آہستہ آہستہ گھر کی مکہ و رخصت کو زیادہ سے زیادہ خوش گوار بنائیے۔

انسانوں کے درمیان ابتداء سے آفرینش سے بات کرنے کا طریقہ رائج ہے۔ آواز کی لہریں جن کے معنی معین کر لئے جاتے ہیں سننے والوں کو مطلع کرتی ہیں۔ یہ طریقہ اس ہی تبادُل کی نقل ہے جو انا کی لہروں کے درمیان ہوتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ گونگا آدمی اپنے ہونٹوں کی خفیف جنبش سے سب کچھ کہہ دیتا ہے اور سمجھنے کے اہل سب کچھ سمجھ جاتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی پہلے طریقے کا عکس ہے۔ جانور آواز کے بغیر ایک دوسرے کو اپنے حال سے مطلع کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی انا کی لہریں کام کرتی ہیں۔ درخت آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ گیفت گو مروت آمنے سامنے کے درختوں میں نہیں ہوتی بلکہ دور دراز کے ایسے درختوں میں بھی ہوتی ہے جو ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہی قانون جمادات میں بھی رائج ہے۔ کنکروں، پتھروں، مٹی کے ذروں میں من و عن اسی طرح تبادلِ خیال ہوتا ہے۔

(۲۳)

خواب ہماری زندگی کا نصف حصہ ہے اور ہمیں بتاتا ہے کہ انسان کے اندر ایسے حواس بھی کام کرتے ہیں جن کے ذریعے انسان کے اوپر غیب کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ خواب اور خواب کے حواس میں ہم ٹائم اور اسپیس کے ہاتھ میں کھلونا نہیں ہیں بلکہ ٹائم اور اسپیس ہمارے لئے کھلونا بنے ہوئے ہیں۔ خواب میں چونکہ اسپیس اور ٹائم (مکانیت اور زمانیت) کی جیکریٹیں دیاں نہیں ہیں اس لئے ہم خواب میں ان حالات کا مشاہدہ کرتے ہیں جو زمان اور مکان سے ماوراء ہیں۔ آسمانی صحائف میں مستقبل کی نشاندہی کرنے والے خوابوں کا ایک سلسلہ ہے جو نوع انسانی کو تفکر کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق خواب میں غیر یک انکشاف صرف انبیائے کرام علیہم السلام کے لئے مخصوص نہیں بلکہ ہر انسان اللہ کے اس قانون سے فیض یاب ہے۔

(۲۴)

شہبازی کی قوت پر دوا بھی می کی مسنون کر م ہے کیوں کر اس کے جسمانی اعضا ہی می (کل رنگ روشنی) کی مختلف ترکیبوں سے وجود میں آئے ہیں۔ البتہ تخلیق کا اصل راز یہ ہے کہ مٹی کے اندر خالق کائنات کا امر متحرک ہے جو مٹی کو مختلف سانچوں میں ڈھال کر مختلف شکلوں میں ظاہر کر رہا ہے۔ گنکر، پتھر، پودے، مختلف قسم کے جانور اور انسان دراصل مختلف سانچے (DIES) ہیں۔ کائنات میں موجود جتنی اشیاء ہیں ان سب کی تخلیق ڈائیوں (DIES) میں ہو چکی ہے جس طرح پڑیا کی ڈائی میں پلاسٹک ڈال کر چڑیا بنائی جاتی ہے اور کبوتر کی ڈائی میں پلاسٹک ڈال کر کبوتر بنایا جاتا ہے اسی طرح قدرت کی بنائی ہوئی ڈائیوں میں مصالحہ (MATTER) ایک خاص طریقہ کار سے منتقل ہوتا رہتا ہے اور نئی نئی صورتیں وجود میں آتی رہتی ہیں۔

ہم جیب اپنے آپ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک محدود اور فنا ہونے والا جسم ہے اور یہی ہماری زندگی کی پہچان ہے۔ یہ جسم جو ہمیں نظر آتا ہے اس کے اجزائے ترکیبی کثافت، گندگی، تعفن اور سڑاند ہیں۔ اس سڑاند کی بنیاد اس نظریے پر قائم ہے کہ ہر آدمی بے جھٹکا ہے کہ میں مادہ ہوں اور میں اس مادی دنیا کی پیدائش ہوں۔ یہ محدود نظریہ ہر آدمی کو کسی ایک مقام میں محدود کر دیتا ہے اور ہر آدمی ایک محدودیت کے تلے بنائے میں خود کو گرفتار کر لیتا ہے اور اس طرح محدود اور پابند نظریے کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ زمین پر بسنے والا ہر آدمی جب اپنا تذکرہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں، میں ہندو ہوں، میں پارسی ہوں، میں عیسائی ہوں حالانکہ روح کا کوئی نام نہیں رکھا جاسکتا۔ روشنی ہر جگہ روشنی ہے چاہے وہ غرب میں ہو، بحیرہ میں ہو یا یورپ میں ہو یا ایشیا کے کسی حصے میں۔

انسانی زندگی کے تمام دور شمول ماضی اور مستقبل اور محفوظ پر نقش میں۔ کائنات کا ہر ذرہ اس نقش کی تفصیلی تصویر ہے۔ ہر ذرے کے وجود کی گہرائی میں اسی نقش کا سرخ ملتا ہے۔ اسی طرح پتھر میں پتھر کے زمانے کی ساری فلم موجود ہے۔ یہ فلم پتھر کے اندر جھانکنے سے نظر آتی ہے۔ اسی ریکارڈ یا فلم کا مشاہدہ کر کے روحانی آدمی ماضی اور مستقبل کے تمام واقعات سے مطلع ہو جاتا ہے۔ آدمی کی تخلیق میں جو فارمولے کام کر رہے ہیں وہ ازل سے ایک ہی پیٹرن (PATTERN) یا طرز پر قائم ہیں۔ زمانے کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ان کی مظاہراتی طرزوں میں تغیر (VARIATION) تو رونما ہوتا رہتا ہے لیکن بنیادوں میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ انسانی طبیعت میں اتنا فرق ہے۔ رنج و غضب، پیار، جنس وغیرہ یکساں ہیں۔ البتہ ہر دور میں ان کی مظاہراتی صورتیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔

(۲۷)

اللہ نے آدم کو اپنی نیابت عطا فرمائی تو فرشتوں نے عرض کیا کہ یہ زمین پر فساد پھیلائے گا۔ یہ بتانے کے لئے کہ آدم کے اندر شر اور فساد کے ساتھ خیر و فلاح کا سمندر بھی موجزن ہے، اللہ نے آدم سے کہنا کہ ہماری تخلیقی صفات بیان کرو۔ جب آدم نے تخلیقی صفات اور تخلیق میں کام کرنے والے فارمولے (اسمائے الہیہ) بیان کیے تو فرشتے بر ملا پکار اٹھے "پاک اور مقدس ہے آپ کی ذات۔ ہم کچھ نہیں جانتے مگر جس قدر علم آپ نے ہمیں بخش دیا ہے، بے شک و شبہ آپ ہی کی ذات علیم اور حکیم ہے۔" تفکر کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ فرشتوں نے جو کچھ کہا اللہ نے اس کی تردید نہیں کی۔ بات کچھ یوں بنی کہ آدم کی اولاد کو جب تک اللہ کی صفات کا علم منتقل نہیں ہوتا وہ سرتاپا شر اور فساد ہے اور تخلیق کا علم منتقل ہونے کے بعد وہ سراپا خیر ہے۔

(۲۸)

جن کو اس سے ہمیشہ نقل میں مقید پسندوں کو دیکھتے ہیں اس کا نام مشہور ہے اور جن کو اس میں ہمیشہ نقل سے آزاد ہو جاتے ہیں اس کا نام لاشعور ہے۔ مشہور اور لاشعور دونوں ہمسروں پر قیام پذیر ہیں۔ شعوری حواس میں کام کرنے والی ہر مثلث (TRIANGLE) ہوتی ہیں اور لاشعوری حواس میں کام کرنے والی ہر دایرہ (CIRCLE) ہوتی ہیں۔

شعوری حواس میں ہم ٹائم آپس (TIME + SPACE) میں بند ہیں اور لاشعوری حواس ہمیں ٹائم آپس سے آزاد کر دیتے ہیں۔ یہ دونوں حواس ایک ورق کی طرح ہیں۔ ورق کے دونوں صفحات پر ایک ہی تحریر لکھی ہوئی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ورق کے ایک صفحہ پر عبارت ہیں روشن اور واضح نظر آتی ہے اور ورق کے دوسرے صفحہ پر دھندلی اور غیر واضح نظر آتی ہے۔

غیب مظاہر سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ غیب کو سمجھنا بہت
 فروری ہے۔ مذہب یا دین جس چیز کو کہتے ہیں وہ دراصل غیب کی نشاندہی ہے۔
 مذہب میں مظاہر کا تذکرہ ضرور آتا ہے لیکن اس کو کسی بھی دور میں اولیت حاصل نہیں
 ہوئی، اس لئے کہ مادی چیزیں تر فنا کے راستے پر گامزن ہے جب کہ خود راستہ بھی فانی
 ہے۔ ایک خدا کا پرستار جس طرح غیب پر ایمان رکھتا ہے بالکل اسی طرح ایک
 مادے کا پرستار مادیت کی دنیا پر یقین رکھتا ہے۔ نہ خدا پرست کو غیب کی دنیا پر ایمان
 رکھے یعنی سچا رہے اور نہ مادیت پرست کو مادے پر ایمان لائے بغیر مفر ہے۔
 دونوں اپنی ایک طرز رکھتے ہیں اور ان میں یہ چیز مشترک ہے کہ اس طرز پر ان کا ایمان
 اور ایقان ہوتا ہے۔ اسی ایمان اور ایقان کو یہ زندگی کہتے ہیں۔ کوئی زندگی ایمان و
 ایقان کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ وہ زندگی خدا پرست کی زندگی ہو یا مادہ پرست کی ہو

وہم کیا ہے؟ خیال کہاں سے آتا ہے؟ یہ بات غور طلب ہے۔
 اگر ان سوالات کو نظر انداز کر دیں تو کثیر حقائق مخفی رہ جائیں گے اور حقائق کی زنجیر
 جس کی سو فی صد کڑیاں اس مسئلے کے سمجھنے پر منحصر ہیں، ابجانی رہ جائیں گی۔ جب فہم
 میں کوئی خیال آتا ہے تو اس کا کوئی کائناتی سبب ضرور ہوتا ہے۔ خیال کا آنا اس
 بات کی دلیل ہے کہ ذہن کے پردوں میں حرکت ہوتی ہے۔ یہ حرکت ذہن کی ذاتی حرکت
 نہیں ہوتی۔ اس کا تعلق کائنات کے ان تاروں سے ہے جو کائنات کے نظام کو ایک
 خاص ترتیب میں حرکت دیتے ہیں۔ مثلاً جب ہوا کا کوئی تیز جھونکا آتا ہے تو اس کے
 یہ معنی ہوتے ہیں کہ کہہ ہوئی میں کہیں کوئی تغیر پیدا ہوا ہے۔ اسی طرح جب انسان
 کے ذہن میں کوئی چیز وارد ہوتی ہے تو اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ انسان کے لاشعور میں کوئی
 حرکت واقع ہوئی ہے۔ اس کا سمجھنا خود انسانی ذہن کی تلاش پر ہے۔

(۳۱)

دنیا میں رائج علوم کی اگر درجہ بندی کی جائے تو ہم انہیں تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ طبیعیات (PHYSICS)، نفسیات (PSYCHOLOGY) اور ما بعد النفسیات (PARA-PSYCHOLOGY) علم طبیعیات کے ضمن میں زندگی کے وہ اعمال و اشغال آتے ہیں جن سے کوئی آدمی محض دائرے میں رہ کر مستفیض ہوتا ہے یعنی اس سوچ کا محور مادہ (MATTER) ہوتا ہے۔ مادی دنیا کے اس غول سے وہ باہر نہیں نکل سکتا۔ نفسیات وہ علم ہے جو طبیعیات کے پس پردہ کام کرتا ہے۔ خیالات و تصورات اور احساسات کا تانا بانا اس علم سے مرکب ہے۔ علم ما بعد النفسیات علم کی اس بساط کا نام ہے جس کو روحانیت میں مصدر اطلاعات (SOURCE OF INFORMATION) کہا جاتا ہے علمی حیثیت میں یہ ایک ایسی سختی ہے جو لاشعور کے پس پردہ کام کرتی ہے۔

(۳۲)

کہا جاتا ہے کہ انسانوں کو زندہ رہنے کے لئے کسی نہ کسی عقیدے کا پابند رہنا ضروری ہے۔ گرد و پیش کے حالات اور ماں باپ کی تربیت سے جس قسم کے عقائد بچے کے ذہن میں پرورش پا جاتے ہیں وہی بچے کا مذہب بن جاتا ہے۔ تمام نظریات کی بنیاد اسی اصول پر کاربند رہا ہے۔ اس کے بغیر تاثرات، واردات اور کیفیات کو عقیدے کے سلسلے میں کوئی جگہ نہیں ملتی۔ ہمارے تمام فلسفے اور تمام طبعی سائنس اسی کلمہ پر قائم ہیں لیکن ہم جب انسان کی ذہنی اور اندرونی زندگی پر غور کرتے ہیں تو ہمیں ذاتی اور باطنی واردات و کیفیات میں نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ اور ہم یہ اقرار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ زندگی کا بہت کم توڑ اس حلقہ عقلیت کی گرفت میں آتا ہے۔ جو کچھ ہے سب بچپن میں سُنی ہوئی، دیکھی ہوئی اور والدین سے درشتہ میں ملی ہوئی کیفیات کا ثمر ہے۔

(۳۲) لوح محفوظہ سے ایک نور آتا ہے جو پوری کائنات میں پھیلتا ہے اس میں ہر قسم کی اطلاعات ہوتی ہیں جو کائنات کے ذرے ذرے کو ملتی ہیں۔ ان اطلاعات میں چمکنا، سونگھنا، سننا، دیکھنا، محسوس کرنا، خیال کرنا، دہم دگمان وغیرہ اور زندگی کا ہر شعبہ، ہر حرکت، ہر کیفیت کامل طرزوں کے ساتھ موجود ہوتی ہے۔ ان کو صحیح حالت میں وصول کرنے کا طریقہ صرف ایک ہے۔ انسان ہر معاملہ میں، ہر حالت میں کامل استغفار کرتا ہو۔ مسخ کرنے والی اس کی اپنی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ جہاں مصلحت نہیں ہے وہاں استغنا ہے، غیر جانبداری ہے اور اللہ کا شعار ہے۔ روحانیت کے راستے پر سفر کرنے والے سائیکن کو یہ بات یاد کرنی چاہیے کہ روحانیت میں اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا مقصد، کوئی دوسری غایت شریک کرنا کفر ہے۔

(۳۳) فلسفہ ربابا اودیاز فرماتے ہیں :-

ساری کائنات میں ایک ہی لاشعور کا فرملہ ہے۔ اس کے ذریعے غیب و شہود کی ہر لہر دوسری لہر کے معنی سمجھتی ہے چاہے یہ دونوں لہریں کائنات کے دو کناروں پر واقع ہوں۔ غیب و شہود کی فراست اور معنویت کائنات کی رگ و جاہ ہے۔ ہم اس رگ و جاہ میں جو خود ہماری رگ و جاہ بھی ہے تفکر اور توجہ کر کے اپنے تئیں اے اور دوسرے ستاروں کے آثار و احوال کا انکشاف کر سکتے ہیں۔ انسانوں اور حیوانوں کے تصورات، جنات اور فرشتوں کی حرکات و سکنات، نباتات و جمادات کی اندرونی تحریکات معلوم کر سکتے ہیں۔ مسلسل توجہ دینے سے ذہن کائناتی لاشعور میں تحلیل ہو جاتا ہے اور ہمارے سراپا کا معین پرت انا کی گرفت سے آزاد ہو کر ضرورت کے مطابق ہر چیز دیکھتا، سمجھتا اور شعور میں محفوظ کر دیتا ہے۔

(۳۵) فضاؤں میں رنگینی، زندگی کو تحفظ دینے والی روشنیاں، طرح طرح کی گیسیں، نیلگوں آسمان کی بساط پر ستاروں کی آنکھیں، رات کی تاریکی میں روشن چاند، دن کے اُجالے کو جلا بخشنے والا سورج، ہوا، مدطر خراماں خراماں نسیم، درختوں کی نفہ سرائی، پڑیوں کی چہکار، بلبیل کی صدا، کوئل کی کوک کس نے تخلیق کی ہے؟ سیلابوں کی گزر گاہیں اور بجلی کی گرج اور چمک کی راہیں کس نے مقرر کیں؟ کیا توبادلوں کو پکارا جاتا ہے کہ وہ تجھ پر سینہ برسائیں، کیا توجلیوں کو اپنے حضور بلا سکتا ہے؟ دل میں سمجھ اور فہم کس نے عطا کی ہے اور ہرگز کو آدمی کس نے دی؟ اگر ان باتوں کو فہم و عظمت سے تعبیر کر کے اپنی بے بضاعتی کہا جائے تو خود ہمارے جسم میں ایسی بے شمار نشانیاں موجود ہیں جن سے ہم ہرگز ہرگز صرف نظر نہیں کر سکتے کہ ساری کائنات عقل والوں کے لئے ایک نشانی ہے۔ ہے کوئی سمجھنے والا؟

(۳۶) جب سے ہوش سنبھالا ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ ہم صرف دعاؤں کے ذریعے اپنے مسائل حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم عمومی اور خصوصی دعائیں بھی مانگتے ہیں۔ آدمی صدمہ یا دو تہائی سے زیادہ کا زمانہ گزر چکا ہے میں نے جن جہت القوم کا فرد کے اوپر فتح و کامرانی کی کوئی دعا قبول ہوتے نہیں دیکھی۔ آخر کیا کیوں ہے؟ دعائیں اس لئے قبول نہیں ہوتیں کہ ان کے ساتھ عمل نہیں ہے اور تخلیق کار ازیہ ہے کہ عمل بجائے خود ایک تخلیق ہے۔ جب سے ہم نے عمل کو ترک کیا ہے اور صرف دعاؤں کا سہارا لینا شروع کیا ہے ہمارے اندر سے نور نکل گیا ہے اور تاریکی میں اپنا لقمہ ترسمجھ لیا ہے۔ اے دعا غلطو! اے منبر نشینو! اے قوم کے دانشورو! براے خدا سوئی قوم کو جگاؤ اور تباؤ کہ بے عمل قومیں مفلوج، مفلوج اور عظام بن جاتی ہیں۔

(۳۷)

قرآن پاک میں مثنیٰ جبکہ نماز کا تذکرہ ہوا ہے وہاں قائم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ یہ نہیں کہا ہے کہ نماز پڑھو۔ نماز پڑھنے اور قائم کرنے میں فرق ہے۔ نماز خواندن "آتش پرستوں کے یہاں رائج ہے۔ جب وہ اپنی کتاب "زہد و اوستا" پڑھ کر آگ کے سامنے جھکتے ہیں، اس کو نماز خواندن یعنی نماز پڑھنا کہتے ہیں۔ عربی سے جب اردو زبان میں ترجمہ کیا گیا تو یہ سہو ہوا کہ "صلوٰۃ قائم کرو" کا ترجمہ "نماز پڑھنا" کر دیا گیا حالانکہ قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق صلوٰۃ کا ترجمہ صلوٰۃ ہی ہونا چاہئے تھا جس طرح کلمہ طیبہ کا ترجمہ کلمہ طیبہ ہے، اللہ کا ترجمہ اللہ ہے، رحمان کا ترجمہ رحمان ہے، پیغمبر کا ترجمہ پیغمبر ہے، رسول کا ترجمہ رسول ہے۔ قرآن کے ارشاد کے مطابق قائم کرو صلوٰۃ اور اردو ترجمہ کے مطابق "نماز پڑھو" کے معنی و مفہوم میں بہت بڑا فرق واقع ہو گیا ہے۔

(۳۸)

"سود لینے والے، سود دینے والے اور سودی معیشت میں زندہ رہنے والے اللہ کے ایسے دشمن ہیں جو اللہ کے ساتھ حالت جنگ میں ہیں۔" تمام مسلمان نمازیں بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں، حج بھی کرتے ہیں، زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ عقل و دست برد گریباں ہے کہ اللہ کے دشمنوں کی نماز نماز کس طرح ہوگی۔ اللہ کے ساتھ حالت جنگ میں رہتے ہوئے روزے کی برکتیں اور سعادتیں کیسے حاصل ہوں گی۔ جن لوگوں کو اللہ نے اپنا دشمن قرار دے دیا ہے وہ کس منہ سے خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں اور خانہ کعبہ کے انوار و تجلیات سے اللہ کے دشمن کیوں کرم توڑ ہو سکتے ہیں؟ تاریخ ایک عظیم گواہ ہے کہ جن قوم نے اللہ کے بنائے ہوئے قانون کا مذاق اڑایا، اللہ نے اس قوم کو ذلیل اور پست کر دیا۔ کیا ابھی بھی وقت نہیں آیا کہ ہم اپنے ظاہر اور باطن کا محاسبہ کریں؟

(۳۹)

ظاہری جسم کی طرح انسان کے اوپر ایک اور جسم ہے جو گوشت کے جسم کے اوپر ہمہ وقت موجود رہتا ہے۔ اس جسم کو جسم مثالی (AURA) کہتے ہیں۔ مادی گوشت پوست کے جسم کا دار و مدار اس ہی جسم کے اوپر ہے اور یہ جسم روشنیوں کا بنا ہوا ہے۔ روشنیوں کا بنا ہوا جسم صحت مند ہے تو گوشت پوست کا جسم بھی صحت مند رہتا ہے۔ زندگی کے اندر جتنے تقاضے موجود ہیں وہ تقاضے گوشت کے جسم میں پیدا نہیں ہوتے بلکہ روشنیوں سے بنے ہوئے جسم میں پیدا ہوتے ہیں اور وہاں سے منتقل ہو کر گوشت پوست کے جسم کے اوپر ظاہر ہوتے ہیں۔ جب آدمی روٹی کھاتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مادی جسم روٹی کھاتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ جب تک جسم مثالی کے اندر بھوک کا تقاضا پیدا نہیں ہوگا اور جسم مثالی گوشت پوست کے جسم کو بھوک یا پیاس سے مطلع نہیں کرے گا آدمی روٹی نہیں کھا سکتا۔

(۴۰)

خوابوں کے ذریعے انسان کو ان حادثات سے محفوظ رہنے کے لئے اشارات ملتے رہتے ہیں جو مستقبل میں پیش آنے والے ہوتے ہیں اور ان احتیاطی تدابیر کو اختیار کر کے ان حادثات سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔ بعض اوقات غیر ارادی طور پر بیداری میں انسان کی چھٹی حس اسے آنے والے حادثات سے خبردار کر دیتی ہے۔ اس قسم کے بہت سارے واقعات لوگوں کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ ان سب کی توجیہ ایک ہی ہے کہ ذہن ایک لمحے کے لئے زمانِ شعور سے نکل کر لاشعور کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے اور آنے والے واقعہ کو محسوس کر لیتا ہے لیکن یہ چہرہ غیر ارادی طور پر واقع ہوتی ہے۔ اگر اس واردات پر مراقبہ کے ذریعے غلبہ حاصل کر کے ارادے کے ساتھ وابستہ کر لیا جائے تو بیداری کی حالت میں بھی مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کا مطالعہ اور مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ

مفہوم: یہ کتاب ان لوگوں کو روشنی دکھاتی ہے جو اپنے اور اللہ کے بارے میں ذوق رکھتے ہیں۔ (سورہ بقرہ)

غیب سے مراد وہ حقائق ہیں جو انسان کے مشاہدات سے باہر ہیں۔ وہ سب کے سب اللہ کی معرفت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایمان سے مراد یقین۔ یقین وہ حقیقت ہے جو تلاش میں سرگرداں رہتی ہے اس لئے نہیں کہ اسے کوئی معاوضہ ملے گا بلکہ مرث اس لئے کہ طبیعت کا تقاضا پورا کرے منہی سے مراد وہ انسان ہے جو سمجھنے میں کبھی احتیاط سے کام لیتا ہے، سادہ ہی بدگمانی کو راہ نہیں دیتا۔ وہ اللہ کے معاملے میں اتنا محتاط ہوتا ہے کہ کائنات کا کوئی رُوپ اُسے دھوکا نہیں دے سکتا۔ وہ اللہ کو بالکل الگ سے پہچانتا ہے اور اللہ کے کاموں کو بالکل الگ سے جانتا ہے۔

(۲۲)

”اور آپ کیا سمجھے اُلیٰ زندگی کیا ہے اور آپ کیا سمجھے اسفل زندگی کیا ہے۔ یہ ایک ریکارڈ ہے۔“ علم حقیقت یا رُوحانی علم ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ اگر ہم خود سے اور اپنے خالق سے متعارف ہونا چاہتے ہیں تو ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم اپنے مافی میں جھانکیں۔ ماں کے پیٹ میں آنے سے پہلے بچہ عالم برزخ میں تھا۔ عالم برزخ لُوح محفوظ کا ایک عکس ہے۔ لُوح محفوظ کتاب المبین کا ایک ورق ہے۔ کتاب المبین عالم ارواح ہے اور عالم ارواح وہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ”کُنْ“ کہا تھا تو اس کا ظہور ہو گیا تھا۔ مرنے کے بعد کی زندگی دراصل اسی عالم ارواح کی طرف پیش قدمی ہے۔ لُوح انسان کے جو اس سرادس زندگی کو دیکھنے، سمجھنے اور تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق ان کو ایسی نظر اور بصیرت مل جاتی ہے جو اس عالم کو دیکھ لیتی ہے، سمجھ لیتی ہے۔

زندگی گزارنے کی ایک طرز یہ ہے کہ آدم زاد ہمہ وقت، ہر آن اور ہر لمحہ پابند ہو اس کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔ زندگی گزارنے کی دوسری طرز یہ ہے کہ آدم زاد پابند ہو اس کے ساتھ بھی آزاد زندگی گزارتا ہے۔ حزن اور ملال کے تاثرات اسے متاثر نہیں کرتے۔ زمین کے اوپر وسائل کی چوکا چوندا اس کی آنکھوں کو خیرہ نہیں کرتی، اس لئے کہ زمین سے دُور بہت دُور اعلیٰ زمین "جنت" اس کی نگاہوں کے سامنے ہوتی ہے۔ جس طرح مادیت میں قید وہ یہاں روٹی کھاتا ہے اسی طرح مادیت سے آزاد ہو کر جنت کے باغات سے انگوڑے خوشے حاصل کرنا اس کے لئے آسان ہے۔ جب کوئی شخص خود شناسی میں مکمل ہو جاتا ہے تو اس کے اوپر زندگی کی نئی راہ، نئی طرز اور نیا اسلوب منکشف ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو قلندر مہر کا حامل مرد آزاد کہا جاتا ہے۔

بُری باتوں اور گالم گلوچ سے زبان گندی نہ کیجئے، چغلی نہ کھائیے چغلی کرنا ایسا ہے کہ جیسے کوئی بھائی اپنے بھائی کا گوشت کھاتا ہو۔ دوسروں کی نقلیں نہ اُتاریے۔ اس عمل سے دماغ میں کشاف اور تازگی پیدا ہوتی ہے۔ شکایتیں نہ کیجئے کہ شکایتِ محبت کی قینچی ہے۔ کسی کی ہنسی نہ اڑائیے کہ اس سے آدمی احساسِ برتری میں مبتلا ہو جاتا ہے اور احساسِ برتری آدمی کے لئے ای ہلاکت ہے جس ہلاکت میں ابلیس مبتلا ہے۔ اپنی بڑائی نہ بتائیے۔ اس عمل سے اچھے لوگ آپ سے دُور ہو جائیں گے۔ خوشامدی اور چالوسی کرنے والے منافق آپ کا گھیراؤ کریں گے اور ایک روز آپ عرش سے فرس پر گر جائیں گے۔ فقرے نہ کیسئے، کسی پر طنز نہ کیجئے، بات بات پر قسم نہ کھائیے۔ یہ عمل آپ کے کردار کو گنہگار کا اور آپ لوگوں کی محبت سے محروم ہو جائیں گے۔

ایمان ایک ایسا جوہر ہے جس کی چاشنی اور حلاوت دنیا کی ہر چیز سے زیادہ ہے مگر یہ حلاوت اور چاشنی اسی بندے کو حاصل ہوتی ہے جو دنیا کی ہر چیز سے زیادہ اللہ کو محبوب رکھتا ہے۔ وہ بندہ جو اللہ سے زیادہ دوسری چیزوں کو عزیز رکھتا ہے، اللہ کا سچا بندہ نہیں ہے۔ جب ہم محبت کا تذکرہ کرتے ہیں تو محبت ہم سے کچھ تقاضے کرتی ہے اور وہ تقاضا یہ ہے کہ محبت ہمیشہ قربانی چاہتی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ محبت ایک ایسی قلبی کیفیت کا نام ہے جو ظاہر آنکھوں سے نظر نہیں آتی لیکن انسان کا عمل اس بات کی شہادت فراہم کرتا ہے کہ اس کے اندر محبت کا سمندر موجزن ہے یا نہیں۔ ایک آدمی زبانی طور پر اگر اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ میں اپنے محبوب سے محبت کرتا ہوں لیکن جب ایثار اور قربانی کا وقت آتا ہے تو وہ اپنے قول میں سچا ثابت نہیں ہوتا، بلاشبہ اس کی محبت قابل تسلیم نہیں سمجھی جائے گی۔

موجودہ سائنس تلاش اور جستجو کے راستے پر چل کر اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ پوری کائنات ایک ہی قوت کا مظاہرہ ہے۔ یہ انکشافات نیا نہیں ہے ہمارے اسلاف میں کہتے ہی لوگ اس بات کو بیان کر چکے ہیں کہ آدمی کی تصویر مختلف انواع خیالات کے رنگوں سے مرکب ہے۔ خیال نہیں مسرت آگیاں زندگی سے ہم کنار کرتا ہے اور یہی خیال ہمیں غم ناک زندگی سے آشنا کر دیتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سائنس ترقی کے عروج پر پہنچ گئی ہے لیکن آج کے سائنس دان وہی کہہ رہے ہیں جو ہزاروں سال پہلے روحانیت کے علم بردار کہہ چکے ہیں۔ اور جس کا پرچار آج بھی ان کے پیروکار حضرات کا مشن ہے وہ یہ کہ زندگی کا قیام مادہ پر نہیں بلکہ روح پر ہے اور لہریں خیالات کا جامہ پہن کر ہر شے کا وجود بن رہی ہیں۔ مادے سے بنی ہوئی تصویروں میں ہمیں جو کچھ نظر آتا ہے وہ فریب نظر کے سوا کچھ نہیں ہے۔

(۴۷) ہم بحیثیت بزرگ بار بار اعلان کرتے ہیں کہ فوجوان نسل کے فہمنوں سے بزرگوں کا احترام اٹھ گیا ہے۔ ان کے اندر وہ اخوت و مہمانی رہی جس کے اوپر مثالی معاشرہ تعمیر کیا جاتا ہے۔ خدا اپنے گریبان میں منہ ڈالنے یہ بھی دیکھئے کہ ہمارے قول و فعل میں کتنا تضاد واقع ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود کہ ہم اپنا اختیار استعمال کر کے اس منافقانہ زندگی کو بدل سکتے ہیں، ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں۔ ہم جو خود نہیں کرتے اس کی توقع اپنی اولاد سے کیوں کرتے ہیں۔ آج اگر ایک باب بھوٹ کی ملت شدہ زندگی میں قید ہے تو وہ اولاد سے کیوں کہ توقع کر سکتا ہے کہ وہ سچی اور حق آشنا زندگی گزارے گا۔ بچے ماں کے پیٹ سے قاتل، چور، ذخیروہ اندوز، منافق، اسمگلر پیدا نہیں ہوتے۔ انہوں نے اپنے بزرگوں کو جو کچھ کرتے دیکھا ہے، ترقی دے کر اُسے حق بنا دیا ہے۔

(۴۸) زندگی کا قیام سانس کے اوپر ہے۔ جب تک سانس کی آمد و شد جاری ہے زندگی رواں دواں ہے اور جب سانس میں قفل واقع ہو جاتا ہے تو مظاہراتی اعتبار سے زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ سانس اندر جاتا ہے اور باہر آتا ہے۔ روحانی نقطہ نظر سے سانس کا اندر جانا انسان کو اس کی رُوح یا INNER سے قریب کر دیتا ہے اور سانس کا باہر آنا انسان کو اس کی رُوح سے عارضی طور پر دور کر دیتا ہے۔ جب ہم سانس اندر لیتے ہیں تو ازل سے قریب تر ہو جاتے ہیں اور جب سانس باہر نکالتے ہیں تو خود کو ازل سے دور محسوس کرتے ہیں یعنی سانس کا باہر آنا مادی اور ازل کی زندگی کے درمیان ایک پردہ ہے۔ جب ہم سانس کو اندر رکھتے ہیں تو ہمارا رشتہ ازل سے قائم ہو جاتا ہے اور جب سانس باہر نکالتے ہیں تو ہمارا رشتہ ساری دنیا سے قائم ہو جاتا ہے۔

(۴۹) کوئی چہرہ ہمارے سامنے ایسا آتا ہے کہ ہم اس چہرے کو دیکھ کر خوش ہو جاتے ہیں۔ اور کوئی چہرہ ہمارے سامنے ایسا بھی آتا ہے کہ ہم اس چہرے سے نکلنے والی لہروں سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ جن لوگوں کے دل نور سے معمور ہوتے ہیں اور جن لوگوں کے دماغ میں غلوں، ایشار، محبت، پاکیزگی اور خدمتِ خلق کا جذبہ ہوتا ہے ایسے لوگوں کے چہرے بھی خوش نما، معصوم اور پاکیزہ ہوتے ہیں۔ ان چہروں میں ایسی میناسیت ہوتی ہے کہ ہر شخص قریب ہونا چاہتا ہے۔ اس کے عکس ایسے لوگ جو احساسِ گناہ اور اضطراب میں مبتلا ہیں ان کے چہروں پر شونت، خشکی، یوسست، بے لگتگی اور کراہت کے تاثرات پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ تاثرات دوسرے آدمی کے دل میں دور رہنے کا تقاضا پیدا کرتے ہیں۔

(۵۰) ہر زمانے میں عقل مندوں نے ہوس زر کی مخالفت کی ہے۔ قرآن نے اسے ”حطلہ“ کہا ہے جس کی آگ ستون کی مانند دل پر چڑھ جاتی ہے اور آدمی کو بھسم کر ڈالتی ہے۔ جو دولت حطلہ نہیں ہے وہ روشن سوزج، تاروں بھری رات، چاند کی ٹھنڈک، عطر سبز ہوئیں اور ایک پرسکون دل ہے۔ ایسے ہی صاحبِ دل لوگ جن کو اطمینانِ قلب نصیب ہوتا ہے اور ان کی تخلیقی سوچ اللہ کی سوچ ہوتی ہے۔ انہیں سب میں اللہ کا نور نظر آتا ہے۔ ان کی زندگی ایسے روشن اور پاکیزہ خیالات کا مرقع ہے جن میں کوئی کثافت نہیں ہوتی۔ لالچ اور گمراہی کے عقوبت خانوں کے دروازے ان کے اوپر بند ہو جاتے ہیں۔ ان کی زندگی میں ایسی علالت ہوتی ہے جیسی علالت شیرخوار بچے کو ماں کی گود میں ملتی ہے۔

جن قوموں سے ہم محبوب ہیں اور جن قوموں کے ہم دست نگر ہیں
 اُن کی طرح فکر کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سورج کی طرح روشن ہے کہ سائنس کی
 ساری ترقی کا زور اس بات پر ہے کہ ایک قوم اقتدار حاصل کرے اور ساری نوع
 انسانی اس کی غلام بن جائے یا ایجادات سے اسے مالی وسائل پیدا کئے جائیں کہ ایک
 قوم یا ایک مخصوص ملک مالدار ہو جائے اور نوع انسانی غریب اور مفلوک الحال بن جائے
 کیوں کہ اس ترقی میں نوع انسانی کی فلاح مقیم نہیں ہے۔ اس لئے یہ ساری ترقی نوع
 انسانی کے لئے اور خود ان قوموں کے لئے جنہوں نے جدوجہد اور کوشش کے بعد نئی
 نئی ایجادات کی ہیں معصیت اور پریشانی بن گئی ہے۔ معصیت اور پریشانی ایک روز
 ادبار بن کر زمین کو جہنم بنا دے گی۔

(۵۱)

پانی کا قطرہ سمندر سے اٹھا تو بادل بن گیا۔ وہاں سے رگیستانوں
 میں ٹپکا تو دوبارہ فضا میں اُڑ گیا۔ باغ میں برسا تو اس بن کر پھلوں میں جا پہنچا۔ وہاں
 سے پیٹ میں آیا اور یہاں آیا تو جزو جسم بن کر قائم رہا یا جسم میں سے پھر باہر نکل گیا اور اگر
 دوبارہ سمندر میں جائے گا تو گویا وطن پہنچ گیا۔ الغرض قطرہ آب کسی نہ کسی رنگ میں موجود
 رہتا ہے۔ اگر پانی مر کتب ہونے کے باوجود زندہ رہتا ہے تو روح کو جو سیدھا ہے بدجڑ
 مڈولی باقی رہتا چاہیئے جس طرح آفتابی شعاعیں پیاسے رگیستان میں ٹپکے ہوئے قطرہوں
 کو ڈھونڈ کر آسمانی بلند یوں کی طرف واپس لے جاتی ہیں اسی طرح زندگی کے یہ تمام قطرے
 جو اجسام انسان کے خاک دانوں میں ٹپک پڑتے ہیں لاسکافی وسعتوں میں دوبارہ پہنچ
 جاتے ہیں۔

(۵۳)

مضمر اگر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خدا کے بندوں میں کچھ ایسے ہیں جو نبی اور شہید تو نہیں ہیں لیکن قیامت کے روز خدا ان کو ایسے مرتبوں پر فخر سے نواز فرمائے گا کہ انبیاء اور شہداء بھی ان کے مرتبوں پر رشک کریں گے۔ صحابہ نے پوچھا وہ کون خوش نصیب ہوں گے یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو آپس میں ایک دوسرے سے محض خدا کے لئے محبت کرتے تھے۔ نہ یہ آپس میں رشتہ دار تھے اور زمان کے درمیان کوئی لین دین تھا۔ خدا کی قسم ا قیامت کے روز ان کے پھرے نور سے جگمگا رہے ہوں گے۔ جب سارے لوگ خوف سے کانپ رہے ہوں گے تو انہیں کوئی خوف نہ ہوگا اور جب سارے لوگ غم میں مبتلا ہوں گے اس وقت انہیں قطعاً کوئی غم نہ ہوگا۔

(۵۴)

آج کی ترقی یافتہ دنیا میں بے شمار ایجادات اور لامتناہی آرام و آسائش کے باوجود ہر شخص بے سکون، پریشان اور عدم تحفظ کا شکار ہے۔ سائنس چونکہ MATTER پر یقین رکھتی ہے اور مادہ یا MATTER عارضی اور فکشن ہے۔ اس لئے سائنس کی ہر ترقی، ہر ایجاد اور آرام و آسائش کے تمام وسائل عارضی اور فنا ہو جانے والے ہیں۔ جس شے کی بنیاد ہی ٹوٹ پھوٹ اور فنا ہو اس سے کبھی حقیقی مسرت حاصل نہیں ہو سکتی۔ مذہب اور لامذہب میں یہ بنیادی فرق ہے کہ لامذہبیت انسان کے اندر شکوک و شبہات، دوسرے اور غیر یقینی احساسات کو جنم دیتی ہے جب کہ مذہب تمام احساسات، خیالات، تصورات اور زندگی کے اعمال و حرکات کو ایک قائم بالذات اور مستقل ہستی سے وابستہ کر دیتا ہے۔

(۵۵) اے واعظ! میں جس آقا کا غلام ہوں ان کا ارشاد ہے "قلم لکھ کر خشک ہو گیا۔ آج میری پیشانی پر جو قلم زندگی کی رقصاں ہے وہ میری پیدائش سے پہلے ہی ازل میں بن گئی تھی اور یہی میری لفت دیر ہے۔ اے واعظ! تیرے وعظ و نصیحت کا میرے اد پر کیا اثر ہو گا۔ تو خود ازل کی نگھی ہوئی تحریر ہے۔ یہ سب بادہ و جام کی باتیں بھی ازل میں ہی لکھی جا چکی ہیں۔ یہ شراب (زندگی)، اور یہ جام (منا کی لباس سے مزین جسم)، قدرت کی ایسی لکیر ہے جسے کوئی بھی نہیں بدل سکتا۔ اے واعظ! یہ سعادتِ ازل، سعادتِ مندوں کو میسر آتی ہے۔ ازل کی شفقتی اس کے قُرب سے محروم رہتے ہیں۔ بالآخر ایک وقت آئے گا کہ یہ لکیری (لہریں) منتشر ہو جائیں گی۔ گراوٹی (GRAVITY) کا عمل ختم ہو جائے گا اور جسم تحلیل ہو جائے گا۔

(۵۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی دولتِ جمع نہیں کی جنسور اور آپ کے صحابہ کرامؓ کا عمل یہ تھا کہ ایران و روم کی دولت کے انبار ان کے سامنے تھے لیکن یہ قدسی نفسِ حضرات پچیس لاکھ مربع میل تسلیم و پر حکومت کرنے کے باوجود مزدوری کر کے بچوں کا پیٹ پالتے تھے اور مزدوری سے جو کچھ بچتا تھا وہ خیرات کر دیتے تھے۔ دنیا میں دولت سے زیادہ بے وفا کوئی چیز نہیں ہے۔ دولت نے کبھی کسی کے ساتھ وفا نہیں کی۔ دولت ہرجائی ہے۔ دولت ایک ایسا بزدلانہ شخص ہے کہ جو دولت کو پوچھا ہے دولت اس کو تباہ و برباد کر دیتی ہے لیکن جو بندہ دولت کی تحقیر کرتا ہے، سر پر رکھنے کے بجائے دولت کو پیروں کی خاک سمجھتا ہے دولت اس کے سامنے سرنگوں ہو جاتی ہے۔

(۵۷)

آج کے دور کو ترقی کی مسراج کا دور کہا جاتا ہے۔ اس مسراج کا تجزیہ کرنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ترقی کے معانی ظلم و ستم کا خاتمہ نہ ہونے والا لامتناہی سلسلہ ہے۔ ترقی یہ ہے کہ بھوکے ننگے انسانوں کو ترقی کا فریب دے کر ان کے اوپر اپنی علمی برتری کی دہشت بٹھا دی جائے۔ دھرتی مانا اپنے بچوں کے لئے عین وسائل کو ختم دیتی ہے انہیں ہارپ کر کے ہلاکت خیز ہتھیار بنائے جائیں بھوکے اور افلاس زدہ لوگوں سے کھربوں ڈالر چین کر ایٹم بم بنایا جائے بولا کھوں آدمیوں کو ایک لمحہ میں لقمہ اجل بنا کر نگلے اور پھر اس درندگی کی تہنیک کے اسلحہ کی مخلوق کو اس قابل بھی نہ رہنے دیا جائے کہ وہ اپنی بقا کے لئے کچھ سوچ سکے اور اپنی نسل کی حفاظت کے لئے کچھ کر سکے۔

(۵۸)

آج ہم جانتے ہیں کہ ہم سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ تہذیبیں اسی زمین پر ظاہر ہوئیں اور اس طرح معدوم ہو گئیں کہ صرف آثار باقی رہ گئے۔ جب ہم ان حوالہ کا کھوج لگاتے ہیں جو ان کی مکمل تباہی میں کار فرما ہیں تو ہمارے سامنے یہ بات کھل کر آتی ہے کہ جن قوموں کا رشتہ دنیا سے مستحکم اور اپنی رُوح سے کمزور ہو گیا بالآخر ان کے اوپر حرص اور لالچ غالب آ گیا۔ اسی قوموں کا مقصد زندگی صرف اور صرف دنیا کا حصول بن جاتا ہے اور کبھی نہ ختم ہونے والی حرص و ہوس کی دوڑ میں پورا معاشرہ اس طرح گرفتار ہوا جاتا ہے کہ کوئی صورت باہر نکلنے کی باقی نہیں رہ جاتی تو قومیں تباہ و برباد کر دی جاتی ہیں یا پھر ان کے چہرے سے مسخ ہو جاتے ہیں۔

کتنی عجیب بات ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے ساری زندگی اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے سامان دنیا اپنے گرد اکٹھا کیا، ان کے مرنے کے بعد لوگوں نے ان کے نام بھی فراموش کر دیئے۔ دوسری طرف وہ پاکیزہ نفس لوگ ہیں جن کے ذکر پر آج بھی پیشانیوں عقیدت و محبت کے جذبات سے جھجک جاتی ہیں جب تک یہ لوگ عوام میں موجود رہے حتیٰ کی سمیع بن کزاسر و زان رہے اور جب پس پردہ چلے گئے تب بھی ان کا شخص لوگوں کے سامنے موجود رہا اس لئے کہ انہوں نے ذاتی غرض اور خود پسندی کو بالائے طاق رکھ دیا تھا، مایا جال ان کو اپنی گرفت میں نہیں لے سکا۔ ان سعادتمندوں نے یہ راز جان لیا تھا کہ خود سے گزرے بغیر خدا نہیں مل سکتا۔

”اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم خدا کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔“

محسن کی شکر گزاری اور احسان مندی شرافت کا اولین تقاضا ہے اور حقیقت ہے کہ ہمارے وجود کا محسوس سبب ”ماں باپ“ ہیں جن کی پرورش اور گرائی میں ہم پلے بڑھتے اور خود کو پہنچتے ہیں۔ اور میں غیر معمولی تسربانی، بے مثال جانفشانی اور انتہائی شفقت و ایثار سے وہ اولاد کی دیکھ بھال اور تربیت کرتے ہیں حق یہ ہے کہ ہمارا دل ان کی عقیدت و احسان مندی اور عظمت و محبت سے سرشار ہو اور ہمارے جسم کا رُواں رُواں ان کا شکر گزار ہو۔ اللہ نے اپنی شکر گزاری کے ساتھ ساتھ والدین کی شکر گزاری کی تائید کی ہے۔

گر جاگھر، آتش کدہ اور مسجد کا وجود یا ان میں اور ان کے ماننے والوں میں اختلاف اور داعظہ کے وعظ میں دوزخ کے عذاب سے ڈرانے کا عمل آخر کب تک جاری رہے گا۔ اسے کاش! ان لوگوں پر قدرت کے وہ راز کھل جائیں جو خالق نے اپنے خاص بندوں کو بتا دیئے ہیں۔ جن لوگوں کی پیشانی روشن تھی اور جیسے پر مسجد سے کا نشان تھا اور ان کے چہرے چمک دیمک سے معمور تھے، جب انہیں مٹی میں دفن کیا گیا تو مٹی نے انہیں بھی مٹی ہی بنا دیا۔ کیسے کیسے چاند اور سورج اس زمین میں دفن ہو چکے ہیں۔ ہم ان کا شمار بھی نہیں کر سکتے۔ چند دنوں کی اس عارضی دنیا میں جو آدمی کبر و نخوت کی تصویر بنا چھڑا ہے، بالآخر اسے بھی موت مٹی کے ذروں میں تبدیل کر دے گی اور لوگ مٹی کے یہ دترے اپنے پیروں میں روندتے پھریں گے۔

خالق کائنات نے اس دنیا کو محبت، خوشی، مسرت و شادمانی اور ایثار کا گہوارہ بنایا تھا اور آج بھی دنیا کی ہر شے دیدہ بنیا کو مسرت اور خوشی مہیا کرتی ہے۔ خوبصورت خوبصورت رنگ برنگ چڑیاں، فطرت کے شاہد مناظر، پانی کا اتار چڑھاؤ، پہاڑوں کی بلندی، آسمان کی رفعت، پہولوں کا صن، دختروں کی قطاریں، تاروں بھری رات، روشن روشن دن، ماں کی آنکھوں میں محبت کی چمک، بچے کا چلنا، اور کلکاری بھرنا، بہن کی پاکیزگی، بھائی کا اخلاص، بیٹی کا تقدس، باپ کی شفقت یہ سب بلاشبہ نوع انسانی کے لئے خوشی اور شادمانی کا سامان ہیں۔ ایک ماں کی طرح زمین بھی یہی چاہتی ہے کہ اس کی اولاد پر مسرت زندگی گزارے، زمین کو دوزخ نہ بنا ڈالے، اس کے ادھر پہولوں کی بجائے انگاروں کی کاشت نہ کی جائے۔

ایک انسان دوسرے انسان میں اپنے ارادے اور اختیار سے
جذب ہو جاتا ہے لیکن سٹی میٹر کے ہزاروں جھٹے کے برابر غلامانہ ہونے کے باوجود دونوں
انسان الگ الگ رہتے ہیں، خود کو الگ الگ محسوس کرتے ہیں۔ قانون یہ بنا کہ مقدار
میں تعین ہی انفرادیت قائم کرتا ہے۔ کوئی انسان اس تخلیقی قانون کو توڑ نہیں سکتا۔
جس طرح ایک انسان اور اک رکھتا ہے، اسی طرح مال و زر اور دولت بھی اور اک
رکھتی ہے۔ جب کوئی انسان دولت کے شخص سے فراق اختیار کرتا ہے تو مقداروں کے
قانون کے مطابق توازن برقرار رکھنے کے لئے دولت اس کے پیچھے بھاگتی ہے
اور جب کوئی انسان دولت کے پیچھے بھاگتا ہے تو دولت اس کے ساتھ بے وفائی
کرتی ہے اور عذاب بن کر اس کے اوپر مسلط ہو جاتی ہے۔

۶۳

آبادی میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے جو بیمار ہو یا مرنا چاہتا ہے
اگر زندہ رہنا اختیاری ہوتا تو دنیا میں کوئی آدمی موت سے ہم آغوش نہ ہوتا۔
ہذا القیاس زندگی کے بنیادی عوامل اور وہ تمام حرکات جن پر زندگی رواں دواں ہے
انسان کے لئے اختیاری نہیں ہے۔ اگر ہم بنیاد پر غور کریں تو زندگی اس وقت شروع
ہوتی ہے جب آدمی پیدا ہوتا ہے جب کہ پیدائش پر انسان کو کوئی اختیار نہیں ہے۔
لاکھوں سال کے طویل عرصے میں ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے جو اپنے ارادے اور اختیار
سے پیدا ہو گیا ہو۔ پیدا ہونے والا ہر فرد ایک وقت مقینہ کے لئے اس دنیا میں آتا
ہے اور جب وہ وقت پورا ہو جاتا ہے تو آدمی ایک سیکنڈ کے لئے بھی اس دنیا میں مزید
قیام نہیں کر سکتا۔

۶۴

قرآن کہتا ہے "زمین و آسمان میں اہل ایمان کے لئے حقائق و
بعائر موجود ہیں۔ یعنی اہل ایمان کی خصوصیت یہ ہے کہ زمین و آسمان کی حقیقتوں
اور زمین و آسمان کے اندر موجود تخلیقات کے فارمولوں (EQUATIONS) پر
اُن کی گہری نظر ہوتی ہے۔ اُن کے مشاہدے کی طاقت کہ کشافی نظاموں کی نقاب
کشائی کرتی ہے۔ قرآن بار بار یہ اعلان کرتا ہے کہ یہ نشانیاں ایمان والوں کے لئے
ہیں، مفہوم یہ ہے کہ نشانیاں تو سب کے لئے ہیں مگر انسانوں میں صرف ایمان والے
لوگ ہی اللہ کی نشانیوں، آیتوں اور حکمتوں پر غور و فکر کرتے ہیں۔ غفلت اور جہالت
میں ڈوبے ہوئے لوگ جو جانوروں کی طرح جیتے ہیں، صدی اور ہٹ دھرم ہوتے ہیں
زمانوں کی زندہ متحرک تصویر میں اُن کے لئے اللہ کی نشانیوں کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔

پہر آدمی جو ذرا بھی شعور رکھتا ہے ہر وقت اس بات کا مشاہدہ کرتا
ہے کہ زندگی کا ہر لمحہ مرتا ہے۔ ایک لمحہ مرتا ہے تو دوسرا لمحہ پیدا ہوتا ہے۔ دن مرنے
تورات پیدا ہوتی ہے۔ بچپن مرتا ہے تو لڑکپن پیدا ہوتا ہے، لڑکپن مرتا ہے تو جوانی
پیدا ہوتی ہے اور جوانی مرتی ہے تو بڑھاپا پیدا ہوتا ہے اور جب بڑھاپا مرتا ہے تو
خوبصورت مورتی کا ایک ایک عضو مٹی کے ذرات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ہڈیاں
جس کے اوپر انسانی ڈھانچے کا دار و مدار ہے راکھ بن جاتی ہیں، دماغ جس پر انسانی
عظمت کا دار و مدار ہے اور جس دماغ کے اوپر انسان اکرٹا ہے، دوسروں کے اوپر ظلم
کرتا ہے، خود کو خدا کہنے لگتا ہے اس کو بھی مٹی کھا جاتی ہے اور مٹی کے ذرات کے بنے
ہوئے اس جیسے دوسرے انسان اس دماغ کو اپنے پیروں تلے روندتے ہیں۔

(۶۷)

علم حضوری کے علاوہ کوئی علم حقیقی نہیں اس لئے کہ یہ علم الہی ہے انسان کا حافظہ اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ علم حضوری کی کسی ایک طرز کو بھی اپنے اندر محفوظ کر لے۔ چنانچہ لوح محفوظ سے پھیلنے والا نور انسان کو اطلاعات فراہم کرتا ہے تو اپنی غرض اور مطلب برآری کے نقطہ نظر سے کام لے کر ان اطلاعات کو نو سو نواوے (۹۹۹) فی ہزار تو رد کر دیتا ہے، ایک فی ہزار کو مسخ کر کے، توڑ مڑ کے حافظہ میں رکھ لیتا ہے۔ یہی مسخ شدہ اور بگڑے ہوئے خود خیال اس کے تجربات کا، مشاہدات کا، عادات و حرکات کا سا پتہ بن جاتے ہیں۔ یہ ہے انسان کا تمام کارنامہ اور اس کی معیت کردہ اور فرائض کردہ سنتیں، قارموئے اور اصول۔ اس ہی خرافات کے بارے میں وہ بار بار یہ کہتا رہتا ہے کہ یہ ہے میرا تجربہ، یہ ہے مشاہدہ، یہ ہے علم طبعی۔

(۶۸)

زندگی کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ہم ایسی چیز کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں جس میں مسرت کا پہلو نمایاں ہو۔ چون کہ ہم علم زدہ اور پُرمسرت زندگی گزارنے کے قانون سے ناواقف ہیں اس لئے زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ ہم مسرت کی تلاش میں اکثر و بیشتر غلط سمت قدم بڑھاتے رہتے ہیں اور ناواقفیت کی بنا پر اپنے لیے ایسا راستہ منتخب کر لیتے ہیں جس میں تاریکی، بے سکونی اور پریشانیوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ وہ کون سا راستہ ہے جس میں مسرت کی روشن قندیلیں اپنی روشنی بکھیر رہی ہیں۔ وہ کون سی نفا ہے جس میں شہم مونی بن جاتی ہے۔ وہ کون سا ماحول ہے جو معطر اور پُرسکون ہے۔ وہ کون سی خوشبو ہے جس سے شعور روشن ہو جاتا ہے۔

(۶۹) دنیا میں ہر وقت اللہ کے ایسے بندے موجود رہتے ہیں جو شہود اور باطنی نعمتوں سے مالا مال ہوتے ہیں جب وہ دنیا میں اکثریت کے عمل کا تجربہ کرتے ہیں تو انہیں یہ دیکھ کر فحسوس ہوتا ہے کہ لوگ چند روزہ زندگی کو اصل زندگی سمجھے ہوئے ہیں لیکن جلد ہی اس کی وجہ بھی ان کی نظر میں آجاتی ہے اور وہ بے ساختہ پُکار اُٹھتے ہیں کہ سچ تو یہ ہے کہ بے خودی خودی سے اور موت زندگی سے اعلیٰ تر ہے لیکن دنیا کے بایسوں پر عدم کا یہ راز روشن نہیں ہے کہ اصل زندگی وہی ہے جو مرنے کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اس مخفی راز کی وجہ سے ہی دنیا میں آدم کی دلچسپی قائم ہے۔ اگر آدم زاد پر دنیا کی بے ثباتی روشن ہو جائے تو عارضی زندگی اور دنیا سے دل اُچاٹ ہو جائے گا۔

(۷۰) ہر انسان کے اندر سطحی اور گہری سوچ موجود ہے۔ تفکر عجیب گہرا ہوتا ہے تو بجز اس کے کوئی بات سامنے نہیں آتی کہ ہر آدمی جنت اور دوزخ اپنے ساتھ لے پھرتا ہے اور اس کا تعلق طرز فکر سے ہے۔ طرز فکر آزاد اور انبیاء کے مطابق ہے تو آدمی کی ساری زندگی جنت ہے۔ طرز فکر میں ابلتیت ہے تو تمام زندگی دوزخ ہے۔

(۷۱) نسلی اعتبار سے ہمارے سچے جس مذہب کے پیروکار ہیں انہیں اس مذہب میں سکون نہیں ملتا تو وہ بغاوت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ سکون ایک ایسی حقیقت ہے جس کے ساتھ پوری کائنات بندھی ہوئی ہے۔ حقیقت فکشن نہیں ہوتی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ بندے کے اندر وہ کون سی طاقت ہے جو ٹوٹ چھوٹ، گھٹنے بڑھنے اور فنا ہونے سے محفوظ ہے۔ وہ طاقت، وہ ہمتی ہر بندے کی اس کی اپنی روح ہے۔ نسلی اعتبار سے اگر ہم اپنے بچوں کو ان کے اندر موجود روح سے آشنا کر دیں تو وہ خدا کے دوست بن جائیں گے۔ زندگی کی ذہنی، جسمانی اور روحانی تمام سرشتیں ان کو مل جائیں گی۔

(۷۲) شگونے اور غار، پھول اور کانٹے اپنی ذات میں ایک محسوساتی رد عمل ہیں۔ رد عمل طرز فکر کی نشاندہی کرتا ہے۔ طرز فکر میں ایمان، یقین، مشاہدہ موجود ہے تو آدم کی اولاد سکون آشنا ہے۔ طرز فکر میں بے یقینی، شک اور کوہنسی ہے تو زندگی کانٹوں بھری ایک تیج ہے، ہر کر دٹ ہو ہو اور ہر انس فنا ہے۔

(۷۳) دنیا میں جتنے عظیم لوگ پیدا ہوئے ہیں وہ کبھی کسی نہ کسی مسئلہ سے دوچار رہے ہیں لیکن وہ اس نکتہ سے باخبر ہوتے ہیں کہ مسائل اس وقت تک مسائل ہیں جب تک انسان ذہنی سکون کی زندگی سے نا آشنا ہے۔ ان لوگوں کے اوپر سے مسائل و تکالیف کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے جو اللہ کی مخلوق کی خدمت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیتے ہیں کسی ایسے شخص کی خدمت کیجئے جو نادر ہے، ضرورت مند ہے۔ پھر دیکھیے کہ آپ کو کتنا سکون ملتا ہے۔ دوسروں کی مدد کرنا اور ان کے کام آنا انسانیت کی معراج ہے اور یہی وہ مشن ہے جس کو عام کرنے کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دنیا میں تشریف لائے۔

(۷۴) جسمانی خوشیاں اور غم عارضی ہیں۔ یہ اس لئے کہ مادی جسم فانی ہے جسم فنا ہوتا ہے تو جسم سے متعلق ہر حرکت فنا ہو جاتی ہے۔ رُوح لافانی ہے۔ اس لئے ہر وہ چیز جو رُوح سے متعلق ہے لافانی ہے۔ رُوحانی آگہی کی تکمیل کے نتیجے میں جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ ہمیشہ کی مسرت اور آرام کی ضامن ہے۔

(۷۵) اللہ نے انسان کو اپنا نائب بنایا ہے۔ اس کے اندر اپنی صفات کا علم چھونکا ہے۔ اس کو اپنی صوحت پر تخلیق کیلئے نائب کا مفہوم نہیں ہے کہ اگر ایک مملکت کا صدر اپنے اختیارات کو استعمال کرنے میں کاغذ قلم کا محتاج نہ ہو تو اس کا نائب اختیارات استعمال کرتے ہیں کاغذ قلم کا محتاج ہو۔ اللہ وسائل کی محتاجی کے بغیر حاکم ہے تو اس کا نائب بھی وسائل کا دوست نگر نہیں ہوتا۔ جس طرح خدا نے کُن کہہ کر کائنات کو وجود بخشا ہے، خدا کا نائب بھی اپنے ذہن کو حرکت دے کر خدا کی تخلیق میں تفرق کر سکتا ہے کیوں کہ اللہ کا نائب اس بات سے واقف ہوتا ہے کہ کائنات میں موجود تمام مظاہر ایک ہی ذات سے ہم گشتہ ہیں۔

(۷۶) آپ کی رفیقہ نجات یا آپ کا رفیق سفر اگر دینی اور دنیاوی علوم سے بہرہ ور ہے تو دونوں جوتوں کی بہترین تربیت کر سکتے ہیں۔ بچے کا پہلا گہوارہ ماں کی آغوش اور باپ کی گود ہے۔ دونوں اگر اسلامی اخلاق سے آراستہ ہوں گے تو جوتوں کی تربیت اور سدھار کے لئے گھر تعلیم و تربیت کا پہلا اکول بن جائے گا۔

(۷۷)

اولیاء اللہ کی گفتگو اسرار و رموز اور علم و عرفان سے پُر ہوتی ہے اور ان کی زبان سے نکلا ہوا کوئی لفظ معرفت و حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ ان کے ملفوظات اور واردات روحانیت کے راستے پر چلنے والے سائیکین کے لئے مشعل راہ ہوتے ہیں۔ ان کی گفتگو اور ان کے الفاظ پر ذہنی مرکزیت کے ساتھ تفکر کیا جائے تو کائنات کی ایسی مخفی حقیقتیں منکشف ہوتی ہیں جن کا انکشاف اور شاہدہ انسان کو اس امانت سے روشناس کر دیتا ہے جس کو سمادات، ارض و جہاں تلے یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ ہم اس امانت کے مستحق نہیں ہو سکتے، اگر ہم نے یہ امانت اپنے کندھوں پر اٹھالی تو ہم ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

(۷۸)

جہاں تک طویل انتظار کا تعلق ہے، کائنات کے تخلیقی فارمولوں پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات اظہار من الشمس ہے کہ ہرگز نہ والالحمہ آتے والے لمحات کے انتظار کا پیش خیمہ ہے، انتظار کیا ہے خود زندگی ہے۔ بچپن سے لڑکپن، لڑکپن سے جوانی اور جوانی بڑھاپے کے انتظار میں گزرتی ہے۔ اگر آج پیدا ہونے والے بچے کی زندگی میں آنے والے ساٹھ سالوں پر محیط بڑھاپا چپکا ہوا نہ ہو تو پیدا ہونے والا بچہ بنگوڑے سے باہر نہیں آسکے گا، نشوونما رنگ جائے گی، کائنات ٹھہر جائے گی، چاند سورج اپنی روشنی سے محروم ہو جائیں گے۔ جب ہم زمین میں کوئی بیج ڈالتے ہیں تو یہ دراصل اس انتظار کے عمل کی ضرورت ہے کہ یہ بیج پھول کھلائے گا۔

(۷۹)

اللہ کی شان کریمہ ہے کہ جب آسمان پر پرندوں کا غول دانہ چنگنے کے لئے اپنے پنجوں اور گردن کو کشش ثقل کے تابع کرتے ہوئے زمین کی طرف آتا ہے تو اس کے پہلے کہ زمین پر پہنچے ان کی غذائی ضروریات تخلیق ہو جاتی ہیں۔ اربوں کھربوں پرندے روزانہ اپنی غذا حاصل کر لیتے ہیں۔

(۸۰)

اگر ہم کسی شخص سے قربت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی وہی کرنا ہو گا جو ہمارا مطلوب کرتا ہے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ سے دوستی اور قربت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی وہی کرنا ہو گا جو اللہ کرتا ہے اور اللہ ہر وقت اور ہر آن اپنی مخلوق کی خدمت میں مشغول ہے۔

(۸۱) ماں باپ اولاد کی تمنا کرتے ہیں اور ماں مہینوں ایک نئی زندگی کو اپنے وجود میں پروان چڑھاتی ہے۔ پیدائش کے بعد کچھ اولاد اور ماں کا رشتہ نہیں ٹوٹتا اور ماں ہر وقت اولاد کی خدمت پر کمر بستہ رہتی ہے۔ خود دن رات تکلیفیں اٹھاتی ہے لیکن اولاد کے آرام و کسالت میں کمی نہیں آنے دیتی۔ اولاد کو ذرا سی نیکی میں دیکھتی ہے تو بے چین ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف باپ رزق کے حصول کے لئے صبح نکلتا ہے اور شام کو گھر میں داخل ہوتا ہے۔ اپنی پوری توانائی سے اولاد کے لئے سامانِ خورد و نوش کا انتظام کرتا ہے۔ یہی وہ عظیم احسانات ہیں جن کی وجہ سے اولاد کے اوپر والدین کے حقوق قائم ہوتے ہیں۔

(۸۲) قرآن سائنسی فاریوں کی ایک دستاویز ہے۔ اس کی مقدس آیات میں تفکر کیا جائے تو ہم غلامیِ تسخیر میں ایک ایسا مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جہاں سائنس دان کھربوں ڈالر خرچ کر کے بھی نہیں پہنچ سکے ہیں۔ قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق تفسیر کائنات ہمارا ورثہ ہے۔

(۸۳) اے آدم زاد! تیرے لیے قدرت اتنی رحیم و کریم ہے کہ اس نے ہر طور پر تیرے لیے معافی کے دروازے کھول دیے اور تجھے اپنے دائرِ عافیت میں لینے کے لیے فلندروں کا ایک سلسلہ قائم کیا۔ اے کاش! تو سوچتا کہ تو نے کیا کھویا ہے کیا پایا ہے۔ اے آدم و حوا کی نافرمان اولاد! تو نافرمانی کے گندے تالاب میں غرقِ آب ہے جہاں دنیا اور دین کا ایسا خسارہ ہے جو انسانی بد نصیبی کا مکروہ داغ ہے۔ آؤ اپنی اس میراث کو تلاش کریں جس کے تحملِ سادات اور ارض اور پہاڑ بھی نہ ہو سکے، وہ میراث جس کے سامنے آسمان، زمین، ستارے، شمس و قمر سب سخر ہیں یہ امانتِ مادے کے غول سے مادرِ اہماری روح کے اندر موجود ہے۔

(۸۴) اللہ کہتا ہے میں چھپا ہوا خزانہ تھا، پس میں نے محبت کے ساتھ مخلوق کو پیدا کیا تاکہ میں سچا ناجاؤں۔ محلِ نظر یہ بات ہے کہ اللہ خود کہتا ہے "میں نے محبت کے ساتھ تخلیق کیا ہے"۔ یعنی اللہ کو پہچاننے کا واحد ذریعہ محبت ہے اور اللہ سے دور کرنے والا جذبہ محبت کے عکسِ نفرت ہے۔

(۸۵) جنت کے باسی وہ لوگ ہیں جن کے سروں پر اللہ نے اپنا دست شفقت رکھ دیا ہے۔ جن لوگوں پر اللہ نے اپنا دست شفقت رکھ دیا ہے وہ اللہ کے دوست ہیں۔ اللہ خوف، غم، پریشانی سے بے نیاز ہے۔ اس لئے اللہ کے دوست میں اللہ کی صفت کا عکس نمایاں ہو جاتا ہے اور اُسے نہ خوف ہوتا ہے، نہ غم ہوتا ہے اور جو لوگ اللہ کے دوست نہیں ہیں جنت کی فضا انہیں کبھی قبول نہیں کرے گی۔ وہ دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔ اگر کسی کے اندر خوف اور غم ہے تو وہ اللہ کے بیان کردہ قانون کے مطابق اللہ کا دوست نہیں ہے۔ اور جو بندہ اللہ کا دوست نہیں ہے جنت اُسے رد کر دیتی ہے۔

(۸۶) انسان کے وجود میں ایک وجود (مادی جسم) پر ہر لمحہ اور ہر آن موت وارد ہوتی رہتی ہے۔ جس لمحہ موت وارد ہوتی ہے اس ہی لمحہ ایک نیا وجود تشکیل پا جاتا ہے۔ یہ وجود لمحہ بہ لمحہ حیات ہے۔ دوسرا وجود (روح) وہ ہے جس پر لمحات، گھنٹے، دن اور ماہ و سال اثر انداز نہیں ہوتے۔

(۸۷) یہ دنیا دوئی کی دنیا ہے۔ دنیا کا کوئی کردار بھی اس دوئی سے آزاد نہیں ہے۔ موسم کا گرم و سرد میں تبدیل ہونا، خوشی کے اور غم کا سایہ اور غم کے اور خوشی کا غلبہ، عزت لمحہ بھر بعد بے عزتی، صحت بیماری، محبت نفرت، رات کا دن میں سے نکلنا اور دن کا رات میں داخل ہونا۔ یہ سب دوئیاں دراصل ہر کردار کے متفاد پہلو ہیں۔ دوئی کی دنیا میں جب تک اس تضاد کو نہیں سمجھا جائے گا کسی چیز کو سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ ہر انسان پیدائش سے لے کر بڑھاپے تک تجربات کی ایک دستاویز ہے۔ دستاویز میں بھلائی سرائت کر گئی تو دستاویز قیمتی اور فائدہ مند ہے۔ رگ و پے میں برائی رچ بس گئی ہے تو دستاویز بھونڈی اور بھیا نک ہے۔

(۸۸) یہ ساری دنیا ایک لمحہ میں قید ہے اور اس ایک لمحاتی دنیا کے اصول کے مطابق آدم کو ایک گھڑی مستعار ملی ہے۔ اگر یہ زندگی محض بے کار باتوں میں گزر گئی تو ساری دنیا ہی گزر گئی۔ ہم نہ پیدا ہوئے، نہ بنے، نہ اُٹھے، نہ بیٹھے، نہ کچھ کیا، نہ کچھ سمجھا۔ گویا ایسے آئے کہ آئے ہی نہ تھے۔

(۹۱) آگ کے شعلے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک طرح کے شعلوں سے ہر چیز خاکستر ہو جاتی ہے اور دوسری طرح کے شعلوں سے ہر چیز کے اندر زندگی دوڑنے لگتی ہے۔ آدم زاد جب خیر کی روشنیوں سے اپنی آبیاری کرتا ہے تو یہ بھر پور شعلے گل و گلزار بن جاتے ہیں اور آدم زاد جب شر کے خمیر سے اپنی آبیاری کرتا ہے تو یہ شعلے اُسے جہنم کی آگ میں دھکیل دیتے ہیں۔ خیر و شر کیا ہے؟ طرز فکر کے دو نام ہیں۔ طرز فکر میں اگر بندگی اور اللہ کے ساتھ محبت ہے تو یہ خیر ہے۔ طرز فکر میں اگر غیر اللہ کی محبت ہے تو یہ شر ہے۔ خیر قائم بالذات جل جلالہ اور شر قائم بالشیطان ہے۔ خیر کی تعریف یہ ہے کہ اللہ اسے پسند کرتا ہے، اس کے عکس شر یہ ہے کہ اللہ اسے پسند نہیں کرتا۔

(۹۲) ریاکار، دھوکے باز اور مطلب پرست شخص کے اندر منافقت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے اندر دوسو سوں کا عفریت داخل ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں آدم زاد جو فرشتوں کا مسجود ہے اپنی ذات سے نا آشنا ہو کر دوسروں کا محکوم بن جاتا ہے۔

(۸۹) انسان ایک چمکرتی سیکنڈ کی آواز کی ہر دوں کو محسوس کر سکتا ہے۔ لیکن ایک ہزار چمکرتی سیکنڈ سے زیادہ چمکرتی آواز کی ہر دوں کو انسانی کان سن نہیں سکتے۔ اس کے عکس نکتے، بتیاں اور لوہڑیاں ساتھ ہزار چمکرتی سیکنڈ کی آوازیں سن سکتی ہیں۔ چوہے، چمکاڑے، دھیل اور ڈولفن ایک لاکھ چمکرتی سیکنڈ کی آوازیں سن سکتے ہیں۔ مچھلیاں بھی سمندر میں انتہائی مدھم ارتعاش کو محسوس کر لیتی ہیں۔

انسان میں دیکھنے کی حد (RANGE) بہت کم ہوتی ہے جب کہ شہد کی مکھی ماورائے منفذی شعاعیں (ULTRAVIOLET RAYS) دیکھ سکتی ہے۔ انسان کے مقابلے میں شاہین کی آنکھ کسی چیز کو آٹھ گنا بڑا دیکھتی ہے۔

(۹۰) اچھے یا بُرے عمل کی پہچان یہ ہے کہ ایک عمل کرنے سے خمیر خوش ہوتا ہے اور اس کے اندر سکون و اطمینان کی لہریں موجزن ہو جاتی ہیں۔ اور عمل کی دوسری پہچان یہ ہے کہ خمیر ناخوش ہوتا ہے اور انسان یہ عمل کر کے ندامت محسوس کرتا ہے۔

(۹۳) زاہدانہ زندگی یہ نہیں ہے کہ آدمی خواہشات کو فنا کر کے خود فنا ہو جائے۔ آدمی اچھا لباس پہنتا ترک کر دے، پٹھار پانا اور پیوند لگا لباس پہنتا ہی زندگی کا اعلیٰ معیار قرار دے لے تو دنیا کے سارے کارخانے اور تمام چھوٹی بڑی فیکٹریاں بند ہو جائیں گی۔ اور لاکھوں کروڑوں لوگ بھوک زدہ ہو کر ہڈیوں کا پتھر بن جائیں گے۔ اللہ نے زمین کی کوکھ سے وسائل اس لئے نہیں نکالے کہ ان کی بے قدری کی جائے، ان کو استعمال نہ کیا جائے۔ اگر روکھا سوکھا کھانا ہی زندگی کی معراج ہے تو بارشوں کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ نے رنگ رنگ پھولوں، پتوں، درختوں، پھلوں، کوہساروں اور آبشاروں سے زمین کو زینت بخشی ہے۔

(۹۴) اے خدا! تیرے میکدے میں کیسی یہ بیدار ہے کہ سائے مہینے روزے رکھنے کے بعد بھی ہمیں معرفت کی شراب نہیں ملی جب کہ خود تیرا کہنا ہے کہ "روزے کی جزا میں خود ہوں" جب اس مہینے میں بھی تیرا دیدار نصیب نہیں ہوا، کیا سارے سال مصیبتوں کی آندھیاں میرا مقدر نہیں بن جائیں گی؟

(۹۵) حیوانات کی نوع میں بے شمار دوسری نوعوں کی طرح ایک نوع آدمی بھی ہے لیکن جب کسی بندے کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم ہو جاتا ہے تو وہ جانوروں کے گروہ سے نکل کر انسان بن جاتا ہے اور انسانوں کی فہم و فکریہ ہوتی ہے کہ وہ برلا پکارا سلٹتے ہیں کہ ہمارا جینا، ہمارا مرنا سب اللہ کی طرف سے ہے اور اس کی یقینی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ہمیں پیدا کیا تھا تو پونچھ کر پیدا نہیں کیا تھا۔ دنیا میں ایک فرد واحد بھی ایسا نہیں ہے جو اپنی مرضی سے پیدا ہوا ہو یا اپنی مرضی سے ہمیشہ زندہ رہے۔ ہم ان ہی وسائل سے استفادہ کرتے ہیں جو ہمارے لئے پہلے سے تخلیق کر دیئے گئے ہیں۔

(۹۶) بندہ کا سانس خالص شراب کا ایک گھونٹ ہے سوچ کی گہرائی بتاتی ہے کہ ساری دنیا ہی خالص شراب ہے۔ شراب کا ہی ایک گھونٹ زندگی میں پنہاں اسرار کو منکشف کر دیتا ہے۔ بندہ چاہے تو اُسے سستی و قلت درمی میں گزار دے چاہے خود کو گمراہی میں دفن کر دے۔

۹۷ زمین پر بسنے والا ہر آدمی جب اپنا تذکرہ کرتا ہے تو کہتا ہے میں مسلمان ہوں، میں ہندو ہوں، میں پارسی ہوں، میں عیسائی ہوں حالانکہ انسان کی اصل 'روح' کا کوئی نام نہیں رکھا جاسکتا۔ روشنی ہر جگہ روشنی ہے چاہے وہ عرب میں ہو، مجھ میں ہو یا یورپ میں ہو یا ایشیا کے کسی حصے میں ہو۔ اس دنیا میں جو بھی پیغام آیا وہ اپنے الفاظ کے ساتھ قائم ہے۔ عیسائیوں کے لئے بائبل کے الفاظ مذہب کا درجہ رکھتے ہیں اور مسلمانوں کے لئے قرآن مذہب کا پیش رو ہے۔ ہندو سب گوت گیتا کے الفاظ کی عبادت کرتے ہیں۔ سب آسمانی کتابیں دراصل خدا کے برگزیدہ بندوں کی وہ آوازیں ہیں جو روشنی بن کر تمام عالم میں پھیل گئی ہیں۔

۹۸ انسان خالص اللہ جب کوئی کام کرتا ہے تو اسے ایک بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ وہ خوشی اس کے اندر سما جاتی ہے جو اس کی روح کے کونے کونے کو متور کر دیتی ہے۔ اس خوشی سے اس کی روح اتنی ہلکی ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے جسم کو لطیف چھوٹا کر رہتا ہے۔

۹۹ اخبارات کے پورے پورے کالم اور کئی کئی صفحات کی کتابیں لکھی جا رہی ہیں کہ اس سے نوجوان نسل کی اصلاح مقصود ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ رشد و ہدایت کے ان طوفانِ خیزدعووں کے ساتھ اگر نوجوان نسل کے بڑوں نے اپنی اصلاح نہیں کی تو حالات نہیں سدھریں گے۔ ہم یہ بات کیوں بھولی رہے ہیں کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کا ذہن سادہ ورق کی طرح ہوتا ہے۔ وہ وہی عادات و اطوار اختیار کرتا ہے جو ماحول میں رائج ہیں۔ ایک فرد واحد بھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ بچہ دہی زبان بولتا ہے جو اس کے ماں باپ بولتے ہیں۔ دراصل ہمارے نوہمال من حیث القوم ہمارے کردار کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔

۱۰۰ بعض چیزیں ایسی ہیں جن کو انسان غیر حقیقی کہہ کر سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا اور وہ اہمہ یا خواب و خیال کہہ کر نظر انداز کر دیتا ہے حالانکہ کائنات میں کوئی شے فاضل اور غیر حقیقی نہیں ہے۔ ہر خیال اور ہر واہمہ کے پس پردہ کوئی نہ کوئی کائناتی حقیقت ضرور کار فرما ہوتی ہے۔

(۱۰۱) اللہ کے مشن (دین) کو پھیلانا ہر امتی پر فرض ہے۔ اس فرض کی ادائیگی کے لئے پہلے خود اپنا عرفان حاصل کریں۔ خود آگاہی اور اپنی ذات کا عرفان ایسی روحانی کامیابی ہے جس کے ذریعے انسان اپنی دعوت کا سچا نمونہ بن جاتا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے سچا ہے اور وہ دین سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ جب وہ دینی اور روحانی مشن کو عام کرنے کے لئے لوگوں کو دعوت دیتا ہے تو پہلے خود اس کی مثال قائم کرتا ہے۔ خدا کو یہ بات انتہائی ناگوار گزرتی ہے کہ دوسروں کو نصیحت کرنے والے خود بے عمل ہوں۔ نبی برحق (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بے عمل دعوت دینے والوں کو انتہائی ہولناک خدا سے ڈرایا ہے۔

(۱۰۲) تمہیں کسی ذات سے تکلیف پہنچ جائے تو اسے بلا توقع معاف کر دو اس لئے کہ انتقام سچائے خود ایک مصوبت ہے۔ انتقام کا جہلہ عصبانیت کا مضمحل کر دیتا ہے۔ تم اگر کسی کی دل آزاری کا سبب بن جاؤ تو اس سے معافی مانگ کر قطع نظر اس کے کہ وہ تم سے چھوٹا ہے یا بڑا، اس لئے کہ جھگڑنے میں غنیمت پوشیدہ ہے۔

(۱۰۳) حقوق العباد یہ ہے کہ انسان اس بات کا یقین رکھے کہ ساری نوعیت اللہ کا ایک کینہ ہے اور میں خود اس کینے کا ایک فرد ہوں۔ جس طرح کوئی انسان اپنی صلاح و بہبود اور اپنی آسائش کے لئے اہول وضع کرتا ہے اسی طرح ہر انسان پر یہ فرض عائد ہے کہ وہ اپنے بھائی کی آسائش و آرام کا خیال رکھے۔ انبیاء اور اہل اللہ کی تاریخ پر اگر نظر ڈالی جائے تو یہ بات منظر بن کر سامنے آتی ہے کہ تمام انبیاء کے کرام اور تمام اہل اللہ نے مخلوق کی خدمت کو اپنا نصب العین قرار دیا ہے۔ اللہ کی مخلوق کی خدمت کا سچا اور مخلصانہ جذبہ انسان کے اندر رحمت، اخوت، مساوات کو جنم دیتا ہے۔

(۱۰۴) قرآن ان لوگوں کو ہدایت بخشتا ہے جو متقی ہیں اور متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر یقین رکھتے ہیں اور یقین کی تعریف یہ ہے کہ آدمی کے اندر باطنی نظر کھل جاتی ہے اور غیب اس کے لئے مشاہدہ بن جاتا ہے۔ جب تک مشاہدہ عمل میں آئے یقین کی تعریف پوری نہیں ہوتی۔

(۱۰۵) صورت حال کچھ یوں ہے کہ لوح محفوظ میں انفرادی زندگی بھی نقش ہے اور قومی زندگی بھی نقش ہے۔ انفرادی حدود میں کوئی بندہ جب کوشش اور جہد و جہد کرتا ہے تو اس کے اوپر انفرادی فوائد ظاہر ہوتے ہیں۔ قومی اعتبار سے ایک 'دو' چار' دس بندے جب کوشش کرتے ہیں تو اس جہد و جہد اور کوشش سے پوری قوم کو فائدہ پہنچتا ہے۔ لوح محفوظ پر یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ جو قومیں خود اپنی حالت بدلنے کے لئے کوشش کرتی ہیں ان کو ایسے وسائل مل جاتے ہیں جن سے وہ معزز و محترم بن جاتی ہیں اور جو قومیں اپنی حالت میں تبدیلی نہیں چاہتیں وہ محروم ہو کر ذلیل زندگی گزارتی ہیں۔

(۱۰۶) جس فرد کے دل میں شک جاگزیں ہو وہ اللہ کا عارف کبھی نہیں ہو سکتا اس لئے کہ شک شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے جس کے ذریعے وہ آدم زاد کو اپنی رُوح سے دُور کر دیتا ہے۔ رُوحانی قدردن سے دُوری آدمی کے اُپر علم و آگہی کے دروازے بند کر دیتا ہے۔

(۱۰۷) مآدِ رانی معلوم کیے جانے والے ہر طالب علم کو یہ بات پوری طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ مخصوص نظریات کی حد بندیاں، کٹ جھٹی، انتہا پسندی اور خود کو کسی ایک دو یا زیادہ علوم میں یکتا سمجھنا ناقص طرزِ فکر ہے۔ اور ناقص طرزِ فکر انسان کو یکسوئی اور آزاد ذہن ہونے سے محروم کر دیتی ہے اور جب کوئی بندہ اس نعمت سے محروم ہو جاتا ہے تو اس کے دل و دماغ پر شک اور دوسو سے آکاش بیل بن کر پھیل جاتے ہیں۔ یہی وہ المیہ صورت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے "مہر کی اللہ نے ان کے دلوں کے اوپر اور ان کے کانوں کے اوپر اور ان کی آنکھوں کے اوپر پردہ ہے اور ان کے واسطے بڑا عذاب ہے۔"

(۱۰۸) مٹی کی صورتیں ہیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں "اے آدم زاد! تو کیوں خود فراموشی کے جال میں گرفتار ہے؟ یہ سب مٹی ہے جو ٹوٹ کر، بکھر کر، ریزہ ریزہ ہو کر نئے نئے رُوپ میں جلوہ گر ہو رہی ہے۔ تو کیوں مٹی کے سامنے شکست خوردہ نہیں ہو جاتا۔ اس شکست میں تیرے لئے سعادت ہے کہ بد و خوت سے بچ جائے گا۔"

۱۰۹) ہمیں پوری سنجیدگی کے ساتھ امتحانات اور براداری کے ساتھ یہ سوچنا ہو گا کہ مرنے جینے اور جسم کی نئی تبدیلیوں کے پیچھے کیا عوامل کام کر رہے ہیں۔ ہم کیوں قائم بالذات نہیں ہو جاتے، کیا ہم بار بار تبدیلی جسم کے سلسلے کو ختم نہیں کر سکتے اور کیا ہم بقائے دوام پاسکتے ہیں، اور کیا ہر کن اور ہر لمحہ جسمانی، ذہنی، شعوری تبدیلی سے نجات پاسکتے ہیں؟ ہمیں سوچنا ہو گا کہ اختلاف کیل دہنار کے ساتھ ہم بھی کیوں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ یہ جاننے کے لئے ہمیں اپنے دوست کو پہچاننا ہو گا اور جب ہم اپنے سچے، پاک اور ایشا کرنے والے دوست سے واقف ہو جائیں گے تو رد و بدل کا یہ لامتناہی سلسلہ ایک نقطہ پر ٹھہر جائے گا۔ ہمارا یہ دوست خدا ہے۔

۱۱۰) روحانی سائنس کا طالب علم اپنے مشاہدہ اور تجربہ (ANA-۶) LYSIS-۱ کی بنا پر اس مقصد سے آشنا ہوتا ہے کہ کائنات میں عناصر کی ترتیب، ہم آہنگی، نظم، افادیت و مقصدیت کو مشہد شعور کی کار فرمائی نہیں ہے۔ کوئی طاقت ہے، کوئی ہستی ہے جس کے حکم پر ازل تا ابد نظام حیات و کائنات قائم ہے۔

۱۱۱) قانون قدرت سے انحراف کی ہزاروں سبز زمیں ہمارے سامنے ہیں نئے نئے موزی انراض کی یہ قمار ہے۔ سب کچھ ہوتے ہوئے ہر شخص افلاس کے شکنجے میں بکڑا ہوا ہے۔ اولاد نالائق ہے یا والدین نالائق و سترار دیئے جارہے ہیں۔ قوم بصارت اور بصیرت سے محروم ہو رہی ہے۔ دماغی عارضے آج جیتنے عام ہیں لہذا کبھی نہ تھے۔ خدا زور سے دل دھڑکا اور آدمی لحد میں اتر گیا۔ معدم تحفظ کا عالم یہ ہے کہ پتہ بھلائے تو دل سینے کی دیوار سے باہر آ جانا چاہتا ہے۔ گھر میں میاں بیوی کی تونکا سے نوجوان نسل شادی کے بندھن کو بوجھ سمجھنے لگی ہے۔ وسائل کے انبار ہونے کے باوجود روزی تنگ ہو گئی ہے۔

۱۱۲) "کائنات میں گہری بھر کا تفکر سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔" جن قوموں نے کائنات کے اجزائے ترکیبی یعنی افراد کائنات کی تخلیق پر غور کیا، وہ سرسراز ہوئیں اور جن قوم نے کائناتی تفکر سے اپنا رشتہ منقطع کیا وہ اقوام عالم میں مردہ قوم بن گئی۔

اے میرے بربرگو! میرے اسلاف کی نیابت کے دعویدارو! اگر تمہیں یقین ہو جائے کہ تمہارا باپ ایک خوفناک ہستی ہے اور وہ تمہارے وجود کو جلا کر خاکستر کر دے گا تو کیا تم اس کے قریب جاؤ گے؟ اے دانشورو، واطولو! ستم کیوں ایسے خدا کا تذکرہ کرتے ہو کہ انسان اُسے خوفناک ہستی اور ڈراؤنی ذات سمجھ کر رات دن ڈرتا رہے، لرزتا رہے، اس کے جسم کا ہر عضو کانپتا رہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ ڈر اور خوف دُوری اور بے دانی کا سِمَل (SYMBOL) ہے۔ یہ کون تسلیم نہیں کرے گا کہ ڈر گھٹن ہے، ڈر اضطراب ہے، ڈر بے مینگی ہے، ڈر اور خوفناکی دو دلوں کے درمیان جُدائی کی ایک دیوار ہے۔

زندگی سے مردانہ وار لڑاکا فتح یاب ہونے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ انسان جدوجہد اور کوشش کی حقیقت سے واقف ہو جائے۔ واقفیت یہ ہے کہ زندگی ایک روٹین (ROUTINE) میں گزار دی جائے۔ روٹین یہ ہے کہ ہم سانس لیتے ہیں لیکن کبھی یہ نہیں سوچتے کہ ہلک بھپک رہا ہے۔

ہم جب زندگی میں کام کرنے والے جذبات کا تذکرہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ جذبات میں تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ گرد و پیش میں اگر خوف دہراں کی فضا پیدا کر دی جائے تو لوگ خوف زدہ زندگی گزارتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر گرد و پیش میں شجاعت اور بہادری کی فضا ہو تو لوگ سہما رہے ہوتے۔ اسی طرح گرد و پیش میں اگر تساہل، کسل مندی اور لاپرواہی کے عوامل کارسرماء ہوں تو اس ماحول میں رہنے والے اکثر لوگ کاہل اور تساہل پسند ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ماحول میں سے کسل مندی اور تساہل دُور کر دیا جائے تو لوگ باہل ہو جاتے ہیں اور قوت ارادی سے کام لے کر بڑے بڑے کارنامے انجام دیتے ہیں۔

کائنات میں موجود ہر شے مسلسل حرکت میں ہے۔ جو بندے اس وصف کو قبول کر کے جدوجہد کرتے ہیں، وہ کائنات کا رکن بن جاتے ہیں۔ کائنات کی رکنیت انہیں اعلیٰ علیین کے مقام تک پہنچا دیتی ہے جہاں بندے حاکم اور فرشتے محکوم بن جاتے ہیں۔

(۱۱۷) بچوں کو ڈرائیں نہیں کیونکہ ابتدائی عمر میں دماغ میں چھپا ہوا ڈر ساری عمر ذہن سے چمٹا رہتا ہے اور خوف زدہ بچے زندگی میں کوئی بڑا کام سر انجام دینے کے قابل نہیں رہتے۔ اولاد کو ہر وقت سخت سست کہنا اور ہر وقت بڑا بھلا کہتے رہنا بھی صحیح طرز عمل نہیں ہے۔ وہ ڈانٹ ڈپٹ کو روزانہ کا معمول سمجھنے لگتا ہے۔ بچے نا سمجھ ہوتے ہیں۔ ان کی کوتاہیوں پر سبب نرا ہونے کے بجائے سوچئے کہ آپ بھی ان ہی کی طرح بچہ تھے اور آپ سے بھی بے شمار کوتاہیاں سرزد ہوتی تھیں حکمت اور بردباری سے ان کو سمجھائیے۔ ان کے سروں پر شفقت سے ہاتھ پھیرئیے تاکہ ان کے اندر اطاعت اور فرمانبرداری کے جذبات ابھر آئیں۔

(۱۱۸) یکساں المناک اور خوفناک عمل ہے کہ ہم دوسروں کو نقصان پہنچا کر خوش ہوتے ہیں۔ درخت ایک ہے۔ بڑے اور شاخیں لاتعداد ہیں۔ اگر کوئی شاخ خود اپنے درخت کی جڑ پر ضرب لگائے تو وہ خود کس طرح محفوظ رہ سکتی ہے۔ خوشی اگر ہمارے لئے معراجِ تمنا ہے تو ہم اپنے ہم جنسوں کو تکلیف پہنچا کر کیسے خوش رہ سکتے ہیں۔

(۱۱۹) کوئی قوم سیر و شر کی تفریق کو نظر انداز کر کے قانون شکنی کا ارتکاب کرنے لگتی ہے تو افراد کے یقین کی قوتوں میں اضمحلال شروع ہو جاتا ہے، عقائد میں شک اور دوسو سے در آتے ہیں، انسان زندگی کی حقیقی مسرتوں سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کی حیات کا محور خالق کائنات کی بجائے صرف مادی وسائل بن جاتے ہیں تو آفاتِ ارضی و سماوی کا لاشنا ہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور بالآخر ایسی قومیں صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہیں۔ اللہ شک اور بے یقینی کو دماغ میں جگہ دینے سے منع کرتا ہے۔ یہ وہی شک اور دوسو ہے جس کے سبب آدم کو جنت کی نعمتوں سے محروم ہونا پڑا۔

(۱۲۰) یہ کیسا المیہ ہے کہ ترقی کا مخزن غیر مسلم ہی اور ہر پر بادی، ذلت اور رسوائی مسلمان کا امتیازی نشان بن گیا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اسلام کے نام یواؤں اور مسلم اقوام کے دانشوروں نے شعور داگہی پر اپنی مصلحتوں کے پہرے بٹھا دیئے ہیں۔

جہاں تک دولت کے انبار جمع کرنے سے عزت و توقیر کے حصول کا تعلق ہے، یہ ایک خود فریبی ہے۔ ایسی خود فریبی جس سے ایک فرد واحد بھی انکار نہیں کر سکتا۔ فراعین مصر کے محلات، قارون کے خزانے ہیں بتائے ہیں کہ دولت نے کسی کسی کے ساتھ دفا نہیں کی۔ تاریخ خود کو دُہراتی رہتی ہے۔ بڑے بڑے شہنشاہوں کے حالات سے کون واقف نہیں ہے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ پور شاہ شوکت اور شاہی دبدبہ کے باوجود ماردِ وطن میں قبر کے لئے جگہ بھی نصیب نہیں ہوئی سونے چاندی کے ذخیروں اور جواہرات کے ڈھیر نے دنیا کے امیر ترین آدمیوں کے ساتھ کتنی وفا کی؟ کیا یہ حقیقت ہمارے لئے درسِ عبرت نہیں ہے؟

۱۲۲) بے یقینی، درماندگی، پریشانی اور عدم تحفظ کے اس دور میں جب ہم دیکھتے ہیں کہ شخص اپنے چھوٹوں اور اپنے اجداد کو بُرائی سے بچنے کی تلقین کرتا ہے اور خود اس پر عمل نہیں کرتا تو ہمارے سامنے یہ بات آجاتی ہے کہ نصیحت کا اثر اس لئے نہیں ہوتا کہ ہم خود بے عمل ہیں۔

۱۲۳)

تعمیر اور تخریب کے دو رخ ہیں۔ جب تعمیری شور برپا ہے کار آتا ہے تو انسان آسمانوں کی رفعت سے بھی اونچا اور سر بلند بن جاتا ہے۔ کائنات اس کے لئے مسخر ہو جاتی ہے اور یہ فرشتوں کا بخود قرار پاتا ہے اور جب یہی انسان اسفل میں گرتا ہے تو اخلاقیات کی تمام حد بندیاں ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔ حرص و ہوس اور میحار زندگی کا عفریت اسے نگلی لیتا ہے۔ ایسی ایسی اختراعات و ایجادات ذہن میں آتی ہیں جو ابلیسیات کا شاہکار ہوتی ہیں اور دماغ کی تمام تعمیری صلاحیتیں تخریب کا لباس پہن کر اللہ کی زمین میں فساد برپا کر دیتی ہیں۔ بلاشبہ آج کا سائنسی دور اس کا مین بخوت ہے۔

۱۲۴)

خیال اس اطلاع کا نام ہے جو ہر آن اور لمحہ ہمیں زندگی سے قریب کرتی ہے۔ پیدائش سے بڑھاپے تک زندگی کے سارے اعمال محض اطلاع کے دوش پر رواں دواں ہیں۔ کبھی ہم یہ اطلاع طے ہے کہ ہم ایک بچہ ہیں۔ پھر ہمیں یہ اطلاع ملتی ہے کہ ہم جوان ہیں اور پھر یہی اطلاع بڑھاپے کا روپ دھار لیتی ہے۔

(۱۲۵) جدید سائنس کی رو سے آدمی ایک چھوٹے پن میں عناصر سے مرکب ہے۔ آگ، پانی، ہوا، مٹی، ٹائیڈ، رومن، ریڈیم، کاربن، نائٹروجن.... وغیرہ غرضیکہ جتنے بھی عناصر مل کر کسی مادہ کی تشکیل دہن لگتے ہیں وہ سب آدمی کے اجزائے ترکیبی میں بھی شامل ہیں۔ جب ہم مادی اعتبار سے آدمی، حیوانات، پرند، درندے، ذی روح اور غیر ذی روح مخلوق کا تجزیہ کرتے ہیں تو سب ایک صفت میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ آدمی جہاں فضل ہو کر انسان بنتا ہے اور اس میں جو کمیت تمام مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہے وہ اس کی قوتِ ارادی ہے۔ قوتِ ارادی مضبوط ہو تو کائنات انسان کے سامنے سرنگوں ہو جاتی ہے۔

(۱۲۶) شیطانی تفکر، ایسی طرزِ فکر اور برائی کے تشخص کی سوچ یہ ہے کہ وہ اپنا عرفان اس طرح رکھتی ہے کہ اس جیسا کوئی نہیں ہے۔ بڑائی اور خود نمائی اس کی گردن کے پٹھوں کو تشنچ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ چہرہ پر طامت، صباحت اور معصومیت کی جگہ بد صورتی اور خشکی اپنا تسلط جمالتی ہے۔

(۱۲۷) آدمی اور حیوان میں فرق کیا ہے؟ آدمی اور حیوان میں کوئی فرق نہیں۔ آدمی بھی چوپایوں کی طرح دو پیروں سے چلنے والا جانور ہے۔ بصیرت سے دیکھا جائے تو آدمی حیوانات سے ہر لحاظ سے کم تر ہے۔ جتنا یقین ایک چڑیا کو اپنے اوپر ہے آدمی کے اندر اس کا عشرِ عشر بھی نہیں ہے۔ جتنا استغنا ایک چوٹی میں ہے آدمی اس سے بھی محروم ہے۔ جو کردار آدمی کو حیوانات سے ممتاز کرتا ہے وہ فکر و شعور کے دائرے میں رہتے ہوئے خالقِ حقیقی سے رابطہ ہے۔ اگر کسی بندے کا اپنے خالق سے ربط نہیں ہے تو دراصل وہ دو پیروں پر چلنے والا جانور ہے۔

(۱۲۸) کیا یہ اپنے اوپر ظلم اور نادانی نہیں ہے کہ گھر میں کھانے پینے کا سامان بھرا ہوا ہے۔ آدمی فاقے کر رہا ہے۔ کیا یہ جہالت نہیں ہے کہ ساری کائنات آدم کے لیے مسخر کر دی گئی اور آدم زاد قبر و ہند کی زندگی میں ایڑیاں رگڑ رہا ہے اور آدم زاد اپنے اندر کی روشنی دنیا میں پھیلانے کے بجائے ساری کائنات کو اندھیر کر دینا چاہتا ہے۔

(۱۲۹) جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کر ڈالتے ایسے لوگ بالآخر دردناک عذاب میں مبتلا رہتے ہیں۔ دولت کا حصول بُری بات نہیں ہے۔ البتہ یہ ہے کہ ہم نے دولت ہی کو سب کچھ سمجھ لیا ہے اور اس سے پیدا ہونے والی غریبوں کا زہر معاشرے کی رگوں میں خون کی طرح دوڑ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم سکون کے ایک لمحہ کو بھی ترستے ہیں۔ اور عدم تحفظ کا احساس ہمارے اوپر مسلط ہے۔ رشتوں کے تقدس پر دولت کی چھاپ لگ گئی ہے۔ ایک دوڑ ہے جو ہمیں ہوس پرستی کے خیالی گھوڑے پر آگ کی طرف دھکیل رہی ہے۔

(۱۳۰) دعاؤں کے ساتھ عمل نہ ہو، کردار نہ ہو، اخلاص نہ ہو تو یہ دعائیں بھی زمین کے کناروں سے باہر نہیں نکلتیں۔ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق وہ دعائیں قبول بارگاہ ہوتی ہیں جن کے ساتھ مسلسل اور سپہیم عمل ہو۔ عمل کے بغیر دعا ایک ایسا جسم ہے جس میں رُوح نہیں ہے اور جب جسم میں سے رُوح نکل جاتی ہے تو اس کی حیثیت ایک لاش کی ہوتی ہے جو کسی کام نہیں آتی۔

(۱۳۱) جب تک آدمی کے یقین میں یہ بات رہتی ہے کہ چیزوں کا موجود ہونا یا چیزوں کا عدم میں چلے جانا اللہ کی طرف سے ہے اس وقت تک ذہن کی مرکزیت قائم رہتی ہے اور جب یقین غیر مستحکم ہو کر کچھ جاتا ہے تو آدمی ایسے عقیدوں اور دعووں میں گرفتار ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ ذہنی انتشار ہوتا ہے، پریشانی ہوتی ہے، غم اور خوف ہوتا ہے حالانکہ اگر دیکھا جائے تو یہ بات بالکل سائنس کی ہے کہ انسان کا ہر عمل، فعل، ہر حرکت کسی ایسی ہستی کے تابع ہے جو ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتی لیکن باطنی آنکھ اس کا مشاہدہ کر لیتی ہے۔

(۱۳۲) کائنات کی تخلیق میں بنیادی عنصر یا بنیادی مسالارنگ اور رنگوں کا امتزاج ہے۔ رنگوں کی مناسبت سے یا رنگوں کی کمی بیشی سے مختلف تخلیقات عمل میں آتی ہیں۔ انسان جو مخلوقات میں سب سے اعلیٰ اللہ کی صناعت ہے اس کی تخلیق نئیوں کے چھ دائروں میں ہو رہی ہے۔ روشنی کا ہر دائرہ الگ الگ رنگ سے مرکب ہے اور الگ الگ رنگ کا دائرہ ہے۔

(۱۳۳) کتنی مضحکہ خیز ہے یہ بات کہ قرآن کائنات پر ہماری حاکمیت اور سرداری تسلیم کر رہا ہے، ہمارے ادھر حاکمیت اور سرداری کے دروازے کھول رہا ہے اور ہم قرآن کو محض برکت کی کتاب سمجھ کر طاقتوں میں بجائے رکھتے ہیں۔ جب کوئی افتاد پڑتی ہے تو اس کی آیات تلاوت کر کے دنیاوی مصائب سے نجات کی دعائیں مانگتے ہیں مگر اس طرف ہماری توجہ مبذول نہیں ہوتی کہ قرآن میں نعمت اگر ہمارا شعار بن جائے اور ہم اس فکر کے نتیجے میں میدانِ عمل میں اُتر آئیں تو ساری کائنات پر ہماری سرداری تسلیم ہے۔ افسوس کہ ہم ان خزانوں کو نظر انداز کر کے دوسروں کے دستِ ننگ بنے ہوئے ہیں۔

(۱۳۴) خدا کی راہ میں جو کچھ خرچ کریں بے غرض اور لاگ کے بغیر خرچ کریں۔ یہ آرزو ہرگز نہ رکھیے کہ میں لوگوں کی آپ نے اللہ کے لئے مدد کی ہے وہ آپ کے شکر گزار اور احسان مند ہوں۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنا کوئی فخر و مباہات کی بات نہیں ہے یہ تو محض اللہ کا فضل ہے کہ اس نے آپ کو اس قابل بنادیا ہے کہ آپ کا ہاتھ اُپر ہے۔

(۱۳۵) ہمارے اطراف میں بکھرے ہوئے مختلف جاندار مٹی کی بنی ہوئی وہ مختلف تصویریں ہیں جو سانس لیتی ہیں۔ ان کی زندگی کا سارا اثاثہ قیاس آرائی ہے۔ یہی قیاس آرائی حواس کی بنیاد ہے۔ جب خیال متحرک ہوتا ہے تو بصارت، سماعت، گویائی، شام، شام اور لمس درجہ بدرجہ ترتیب پا جاتے ہیں۔ چوں کہ ان کی بنیاد قیاس آرائی ہے اس لئے ظاہری حواس میں ہمارا دیکھنا، سمجھنا اور سوچنا حقیقی نہیں ہے۔ اسی لئے ضمانت میں قلبی مشاہدات کو حقیقت کہا جاتا ہے۔ قرآن کہتا ہے: "دل نے جو دیکھا جھوٹ نہیں دیکھا۔"

(۱۳۶) یہ نہیں معلوم کہ کہاں سے آیا ہوں اور نہ ہی یہ معلوم ہے کہ منزل کہاں ہے۔ ایسا علم جس کو نہ تو کھوجا جائے کا علم ہو اور نہ ہی کچھ پالینے کا علم ہو علم نہیں ہے۔ بے بصارتی اور کم مائیگی کا یہ حال ہے تو ہم حقیقت کے سمندر میں کس طرح غوطہ زن ہو سکتے ہیں۔ حقیقی علم جاننے کے لئے ضروری ہے کہ ہم یہ جانتے ہوں کہ اس دنیا میں پیداؤں سے پہلے ہم کہاں تھے اور مرنے کے بعد کون سے عالم میں چلے جاتے ہیں۔

(۱۳۷) خرق عادت یا کرامت کا ظہور کوئی اچھے کی بات نہیں ہے جبکہ بندے کا شعوری نظام لاشعوری نظام سے خود اختیاری طور پر منسوب ہو جاتا ہے تو اس سے ایسی باتیں سرزد ہونے لگتی ہیں جو عام طور سے نہیں ہوتیں اور لوگ انہیں کرامت کے نام سے یاد کرنے لگتے ہیں۔ یہ سب بھانپتی ہے۔ اعمال و حرکات میں خرق عادت اور کرامت خود اپنے اختیار سے بھی ظاہر کی جاتی ہے اور کبھی کبھی غیر اختیاری طور پر بھی سرزد ہو جاتی ہے۔ خرق عادت آدمی کے اندر ایسا دمعت ہے جو شوق کے ذریعے متحرک کیا جاسکتا ہے۔

(۱۳۸) موت جب روح اور بدن کو الگ کر دے گی تو بدن کا ٹھکانا صرف دو گز زمین کا ٹکڑا ہوگا (وہ بھی اس کے لئے جسے میسر آجائے)۔ کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد اس جگہ کوئی اور دفن ہو جائے گا۔ اسے بندے اتیری زندگی، تیرا وجود، تیری حقیقت کتنی فانی ہے! سب کے لئے چلاؤ اور ختم نہ ہونے والا ایک سلسلہ قائم ہے۔ دنیائے فانی کی یہ فانی زندگی عبرت کا مرتع ہے۔

(۱۳۹) قرآن پاک کو محض ثواب و برکت کا ذریعہ سمجھ کر نہ پڑھیں یا طاقتوں کی زینت بنا کر نہ رکھیں۔ بلکہ اس میں تفت کر لیں، جیسا کہ غور و فکر کرنے کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فہم قرآن عطا کرنے کا ذریعہ دیا ہے۔ "ہم نے قرآن کا سمجھنا آسان کر دیا ہے، کیا ہے کوئی سمجھنے والا؟" اس آیت مبارکہ کی روشنی میں ہم پر یہ لازم ہے کہ اس عظیم خداوندی سے فیض اٹھاتے ہوئے قرآن پاک میں غور و فکر کو اپنا شعار بنائیں تاکہ ہماری رو میں نور ہدایت سے معمور ہو جائیں اور ہم ان صفات کو حاصل کر سکیں جن سے بندے کے لئے آسمان و زمین مسخر ہو جاتے ہیں۔

(۱۴۰) مومن ہر حالت میں ثابت قدم رہتا ہے۔ کیسے ہی حالات کیوں نہ ہوں وہ کبھی ناامیدی کی دلدل میں نہیں پھنستا۔ اللہ کا شکر ادا کرنا اس کا شعار ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ جس طرح خوشی کا زمانہ آتا ہے اسی طرح مصائب کا دور آنا ایک قدر عمل ہے۔ وہ آزمائش کے زمانے میں جدوجہد اور عمل کے راستے کو ترک نہیں کرتا کیوں کہ اس کی پوری زندگی ایک مہم اور جدوجہد ہوتی ہے۔

(۱۲۱)

سکندر، دارا، شتاد و نمرود، فرامین اور بڑے بڑے بادشاہ جن کی ہیبت اور بربریت کا یہ عالم تھا کہ لوگ ان کے نام سے لرزتے تھے وہ جو بڑی بڑی ریاستوں اور مملکتوں کے تاجدار تھے، عوام سے خراج وصول کرتے تھے خود کو آقا اور عوام کو غلام سمجھتے تھے معلوم نہیں کہ وہ خود اور ان کے تاج و تخت کہاں ہیں ان کو اور ان کی افواج کو جو آندھی اور طوفان بن کر دنیا کے لئے مصیبت بن گئی تھیں مٹی نے نکل لیا یہ بڑے بڑے مملات اور کھنڈرات جو آج اپنی بے بقاعدگی پر آنسو بہا رہے ہیں، بالآخر ان کا نام و نشان بھی ایک دن مٹھتی سی مٹ جائے گا۔

(۱۲۲)

جب تک نوب انسانی کے افراد میں کاروباری ذہن کام کرتا ہے اسے کبھی سکون میسر نہیں آئے گا۔ ترقی یافتہ قوم اس لئے عذاب میں مبتلا ہے کہ ترقی کے پیچھے اس کا اپنا ذاتی فائدہ ہے۔ ہر ترقی سونے کا ڈھیر جمع کرنے کا ذریعہ ہے۔ غیر ترقی یافتہ قومیں اس لئے پریشان ہیں کہ ان کا کوئی عمل کاروباری تقاضوں سے باہر نہیں ہے۔ وہ اللہ کو بھی اس لئے یاد کرتے ہیں کہ ان کے پیش نظر اپنی ذات کے لئے منفعت ہے جب کہ اللہ کے نزدیک یہ طرز فکر ناپسندیدہ ہے۔ جو لوگ میری آیتوں کا کاروبار کرتے ہیں ان کے پیٹ دوزخ کے انگاروں سے بھریں گے۔

(۱۲۳)

گناہ سرزد ہو جائے تو توبہ کرنے میں کبھی تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ اظہارِ ندامت کے ساتھ، انکار کے ساتھ، عاجزی کے ساتھ اپنے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو کر معافی طلب کیجئے۔ توبہ استغفار سے رُوحِ محلی ہو جاتی ہے۔ اور قلب دھل جاتا ہے۔ ہنایت خلوص اور سچائی کے ساتھ توبہ کرنے سے انسان کی زندگی بدل جاتی ہے۔

(۱۲۴)

اللہ چاہتا ہے کہ آدمی سیکڑوں سال زندہ رہ کر دنیا کی رنگینی میں اپنا کردار ادا کرے اور آدمی کام، کام، صبح کام اور شام کام اور ہائے دنیا، ہائے دنیا کے ختم نہ ہونے والے پتھر میں خود اپنے ارادے اور اختیار سے زندگی کو مختصر کرنے پر تکا ہوا ہے جب کہ آدم و حوا کی اولاد یہ بات اچھی طرح جانتی ہے کہ زندگی کو ایندھن بنا کر جمع کی جانے والی ساری پونجی ایک دن موت ہم سے چھین لے گی۔

(۱۲۵) ہر طرف شہور و غوغا برپا ہے کہ موجودہ نسل اسلام سے دُور ہو گئی ہے، اسلاف کی پیروی نہیں کرتی۔ ہم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اسلاف میں ہمارا بھی شمار ہے۔ موجودہ نسل اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے دُور ہو گئی ہے تو اس میں اس کا قصور کم اور ہمارا زیادہ ہے۔ بچے جب یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے والدین زبان سے اللہ اور رسول کی تعلیمات کا پرچار کرتے ہیں اور ان کا عمل اس کے بالکل برعکس ہے تو ان کے ترقی یافتہ ذہن میں بجز اس کے کوئی بات نہیں آتی کہ مذہب صرف اظہار و بیان کا نام ہے۔ عمل سے اس کا کوئی ربط مضبوط نہیں۔

(۱۲۶) پیسہ اس ایسا کالو جی ایسے اسباق کی دستاویز ہے جن اسباق میں یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ سکون کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر استغنا ہو، استغنا کے لئے ضروری ہے کہ قافلہ مطلق ہستی پر ٹوکھل ہو، توکل کو مستحکم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر ایمان ہو اور ایمان کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر غیب میں نظر متحرک ہو۔ بصورت دیگر بندے کو سکون میسر نہیں آسکتا۔

(۱۲۷) اُداس، غم گین اور پرمردہ چہرے دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ہم ایسے مسافر ہیں جن کی کوئی منزلت نہیں ہے جب کہ اسلامی زندگی کے دلکش خدو و خال اختیار کر کے ہم اپنے اندر غیر معمولی کشش اور جاذبیت پیدا کر سکتے ہیں۔ اہل اسلام ہی نہیں بلکہ دوسری قومیں بھی اسلامی اصولوں کی ضیا پائینوں سے متاثر ہو کر دینِ حسین کی طرف کھینچے لگتی ہیں۔ اسلام یقیناً ہوا، پانی اور روشنی کی طرح سارے انسانوں کی عام میراث ہے لیکن محض زبانی طور پر اس کا اقرار کر لینا کافی نہیں ہے۔ اس کے لئے ایشاد عمل کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے۔

(۱۲۸) نوزانی لوگوں کی باتیں بھی روشن اور نورتہ ہوتی ہیں۔ زندگی میں اُن کے ساتھ ایک لمحے کا تقرب سو سالہ طاعت بے ریا سے افضل ہے اور عالمِ قدس میں چلے جانے کے بعد ان کی یاد ہزار سالہ طاعت بے ریا سے اعلیٰ اور افضل ہے کہ ایسے مقرب بارگاہ بندوں کے تذکرے سے آدمی کا انگ انگ اللہ کی قربت کے تصور سے رنگین ہو جاتا ہے۔

(۱۴۹) نوع انسانی خیالات کے چھوٹے بڑے ٹکڑوں پر زندگی گزارتی ہے جسمانی نشوونما برقرار رکھنے کیلئے جبکہ طبیعت کا ایک تقاضا ہے۔ یہ تقاضا خیال بن ہمارے دماغ پر وارد ہوتا ہے اور ہم اس خیال کی طاقت کے زیر اثر کچھ نہ کچھ کھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس زندگی کا ہر تقاضا اسی قانون کا پابند ہے۔ زندگی میں کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو خیال سے شروع ہو کر خیال پر ختم نہ ہوتا ہو۔ اعصاب جب تھکان محسوس کرتے ہیں تو طبیعت ہمیں خیال کے ذریعے اس بات سے مطلع کرتی ہے کہ ہمیں آرام کرنا چاہیے۔ اور ہم سو جاتے ہیں۔

(۱۵۰) ایک مکتبہ فکر کا خیال ہے کہ انسان کی خوشی اس میں ہے کہ وہ آزادانہ زندگی گزارے۔ لیکن جب ان لوگوں نے زندگی کے ماہ و سال پر سوچنا شروع کیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ انسان کسی بھی حال میں آزاد نہیں ہے کیونکہ ہر مسرت کے بعد کسی آفت کا آنا لازمی ہے، ہر سکھ اور چین کے بعد کوئی نہ کوئی فتنہ برپا ہوتا ہے ہر خوشی دراصل ایک غم کا پیش خیمہ ہے اور ہر سکون اضطراب اور بے چینی پر ختم ہوتا ہے۔

(۱۵۱) آدمی جو خود کو اشرف المخلوقات کہتا اور سمجھتا ہے اگر اپنی ابترا اور انتہا پر غور کرے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس تعمیر کی پہلی اینٹ برطانڈ اور لعفن ہے اور انتہا یہ ہے کہ اس کا خوبصورت جسم کیڑوں کی خوراک بن جاتا ہے۔ باوجود اس واضح اور کھلی حقیقت کے ہر شخص ذاتی منفعت کی خیالی دنیا میں مگن ہے۔ ایک ہی خیال اس کی طلب اور مقصد حیات بن کر رہ گیا ہے۔ دولت دولت اور صرف دولت۔ وہ دولت جو ایک ایسی لاناہتہ دلدل ہے جس میں گر کر کوئی شخص اشرف خواہ اس میں زندہ نہیں رہ سکتا۔

(۱۵۲) تسخیر کائنات اور جنت کی زندگی نوع انسانی کا ورثہ ہے لیکن اس ورثہ کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ انسان اس صلاحیت سے متعارف ہو جو جنت کی زندگی میں اسے حاصل ہوتی۔ اس صلاحیت کا حصول رُوح سے قریب ہوئے بغیر ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ جو شخص اپنے INNER سے واقفیت حاصل کر لیتا ہے وہ ابدی سکون پالیتا ہے۔

(۱۵۳)

زمین پر سے غسّے و غاشاک دُور کرنے کے بعد کوئی پودا لگایا جائے تو وہ جلد نشوونما پاتا ہے اور جوان ہو کر اچھا پھل دیتا ہے۔ اسی طرح جب ذہن کو پوری طرح صاف کر کے کسی نئے علم کا پودا اس میں لگایا جائے تو وہ بہت جلد برگ و بار لاتا ہے اور سرسبز و شاداب ہو جاتا ہے۔ جس طرح آپ اپنے جسم کا فاسد مادہ خود ہی خارج کر دیتے ہیں یا قدرتی نظام کے تحت وہ خارج ہو جاتا ہے اسی طرح ایجان، جذبات و خیالات کی کثافت کا اخراج ہونا بھی ضروری ہے جب تک دماغ جذبات و ایجان کی کثافت سے صاف نہیں ہوتا، آدمی انسان نہیں بنتا۔

(۱۵۵)

تمام جاندار مٹی سے بنے ہوئے ہیں۔ مٹی سے مُراد روشنیوں کا وہ غلط ملط ہے جس میں تمام رنگ موجود ہیں۔ اسے کُل رنگ روشنی بھی کہا جاتا ہے۔ یہی رنگ درخت کی جڑیں زمین سے حاصل کرتی ہیں اور یہی رنگ شاخوں، پتوں، پھولوں اور پھل میں نمایاں ہو جاتے ہیں لیکن تخلیق کی یہ طرز دیر پا نہیں۔ جلد ہی تخلیق پھر مٹی بن جاتی ہے پرندے بھی اسی ٹکڑے سے بنے ہوئے ہیں۔ قوت پر دوا حاصل ہو جانے کے بعد بھی مٹی سے رنگاری حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ وہ مٹی کے دائرہ کار سے باہر نہیں جاسکتے۔ جلد ہی مٹی کی کشش انہیں پھر مٹی بن جانے پر مجبور کر دیتی ہے۔

(۱۵۶)

قلندر شہور کے حامل آزاد انسان کی نظر میں خیر خواہ دوست اور دشمن، رشک و حسد کرنے والے، پاکباز اور پاپی، بے لوث اور خود غرض، جانبدار اور غیر جانبدار سب کی حیثیت یکساں ہو جاتی ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ ہم صرف جان دار اشیاء ہیں اور کائنات جان دار اشیاء کے لئے صرف ایسا ہے۔ کائنات میں ہر فرد اپنا اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔

(۱۵۴)

پہاڑ بھی باشعور ہوتے ہیں۔ پہاڑ بھی سانس لیتے ہیں۔ پہاڑ بھی پیدا ہوتے ہیں اور جوان ہوتے ہیں۔ چونکہ تخلیقی قارموں میں پہاڑ کی تخلیق اور نشوونما کا فارمولا الگ ہے اس لئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ پہاڑ جیسے کھڑے ہیں۔ ایک انسان ایک منٹ میں بیس مرتبہ سانس لیتا ہے، پہاڑ پندرہ منٹ میں ایک سانس لیتا ہے۔ ہر نوع میں سانس کی معین مقداریں الگ الگ ہیں۔

ایک جگہ سیلاب آیا جس میں سارا علاقہ ڈوب گیا۔ لیکن ایک ٹیلے پر پانی نہیں پہنچ سکا۔ انسان اور جنگل کے بہت سے جانور اور کپڑے مکوڑے اس ٹیلے پر پناہ لینے کے لئے جمع ہو گئے۔ ایک شیر تیرتا ہوا اس ٹیلے کی طرف آیا اور کتنے کی طرح ہانپتا ہوا لوگوں کے درمیان زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ اس قدر خوف زدہ تھا کہ اُسے گر دو پیش کا ہوش نہیں تھا۔ ایک آدمی اطمینان سے رائفل لے کر اس کی طرف بڑھا اور اس کے سر پر گولی مار دی۔ خوف کے جذبے سے شیر اپنی درندگی کی صفت کو بھی بھول گیا اور خوف کے جذبے نے اُسے بکری سے بھی زیادہ بزدل بنا دیا۔

(۱۵۷)

اگر فرد کے ذہن میں جنات اور فرشتوں سے متعلق اطلاعات کا رد و بدل نہ ہو تو فرشتے اور جنات کا تذکرہ زیر بحث نہیں آئے گا۔ بہ الفاظ دیگر کائنات اور کائنات میں موجود جتنی بھی مخلوق ہے اس مخلوق کے خیالات کی لہریں ہمیں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ خیالات کی منتقلی ہی دراصل کسی مخلوق کی پہچان کا ذریعہ بنتی ہے۔ انسان کا لاشعور کائنات کے دور دراز گوشوں سے مسلسل ایک ربط رکھتا ہے۔ کیوں کہ یہ ربط ہر وقت قائم ہے اس لئے ہم اپنے خیالات کو ایک نقطہ پر مرکوز کر کے اس ربط کے ذریعے اپنا پیغام کائنات کے دور دراز گوشوں تک پہنچا سکتے ہیں۔

(۱۵۸)

ہر مذہب میں اپنے پیروکاروں کو متوجہ کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی طریقہ رائج ہے، کہیں گھنڈا اور گھڑیاں بجا کر لوگوں کو پریش اور عبادت کے لئے جمع کیا جاتا ہے تو کہیں سنگھ بجا کر پجاریوں کو پوجا پاٹ کی دعوت دی جاتی ہے اور لوگوں کو ایک مرکز پر جمع کیا جاتا ہے۔ اسلام نے امت مسلمہ کو ایک مرکز پر جمع کرنے اور اللہ کی پرستش کے لئے بلانے کا جو طریقہ وضع کیا ہے اس کا نام "اذان" ہے۔

(۱۵۹)

اپنی زندگی کو عشق و وفا کی چلتی پھرتی، منہ بولتی تصویر اور نمونہ بنا دیجئے بلاشبہ ایسے افراد کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی صف میں شامل کر لیتا ہے جس کا مشاہدہ رُوح کی آنکھیں اور رُوحانی لوگ کرتے ہیں۔ ان مخصوص بندوں کا ایک سلسلہ ہے جس میں شامل ہونے کے بعد انسان کا دل، دماغ اور نفس مطمئن ہو جاتا ہے۔ ایسے بندوں پر رحمتوں، برکتوں اور انوار و تجلیات کی بارش ہوتی رہتی ہے۔

(۱۶۰)

(۱۶۱) زندگی کے تمام اجزاء ترکیبی ایک طاقت کے پابند ہیں۔ وہ قوت جس طرح چاہے روک دیتی ہے اور جس طرح چاہے انہیں چلا دیتی ہے۔ قلندر شہور کے بانی قلندر بابا اویار رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

”لوگ نادان ہیں، کہتے ہیں کہ ہماری گرفت حالات کے اوپر ہے۔ انسان اپنی مرضی و منشا کے مطابق حالات میں رد و بدل کر سکتا ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ اگر فی الواقع حالات کے اور انسان کو دسترس حاصل ہوتی تو کوئی آدمی غریب نہ ہوتا، کوئی آدمی بیمار نہ پڑتا، کوئی آدمی بوڑھا نہ ہوتا اور کوئی موت کے منہ میں نہ جاتا۔“

(۱۶۲) مینارہ نور قلمت در بابا اویار نے اپنے پیچھے فکر کی وہ روشنی چھوڑی ہے جس کی راہ نمائی میں آج کی پرانگندہ دل نسل اپنے مستقبل کو سنوار سکتی ہے نوع انسانی جس ذہنی کشاکش اور دماغی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے اس کی اول وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر انبیاء کی طرز فکر کا انعکاس کم سے کم ہوتا جا رہا ہے اور اس کے اپنے بنائے ہوئے مفروضہ جو اس نے اُسے حقیقت آگاہی سے محروم کر دیا ہے۔

(۱۶۳) مادی اعتبار سے ہمیں یہ بھی علم نہیں ہے کہ سچی خوشی کیا ہوتی ہے اور کس طرح حاصل کی جاتی ہے۔ حقیقی مسرت سے واقف ہونے کے لئے فردری ہے کہ ہم اپنی اصل کو تلاش کریں۔ یہ معلوم کریں کہ پیدائش سے پہلے کہاں تھے اور مرنے کے بعد ہم کہاں چلے جاتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ حقیقی مسرت اور دائمی خوشی سے ہم آغوش ہونے کے لئے انسان کو سب سے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ زندگی صرف جسمانی حرکات و سکنات پر نہیں ہے، اس حقیقت پر ہے جس حقیقت نے خود اپنے لئے گوشت پوست کے جسم کو لباس بنایا ہے۔

(۱۶۴) زمین، آسمان اور اس کے اندر جو کچھ ہے سب کا سب انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔ قرآن و اشکاف الفاظ میں کہتا ہے کہ لوہے میں انسانوں کے لئے بے شمار فائدے محفوظ ہیں۔ مین لوگوں نے لوہے کی صلاحیتوں کو تلاش کر لیا وہ لوگ قومی اعتبار سے عزت دار ہو گئے۔ مسلمان نے قرآن کی تعلیمات کو نظر انداز کیا تو پوری قوم ذلیل و خوار ہو گئی۔

(۱۶۵) دانشور اس بات پر متفق ہیں کہ بچے کی تربیت کا پہلا گہوارہ اس کا گھر ہوتا ہے۔ بچہ جو سُختا ہے وہ بولتا ہے، جو دیکھتا ہے وہی اس کا علم بن جاتا ہے۔ آج کے دور میں ہم نہیں دیکھتے کہ دادی اماں نے کبھی یہ کہا ہو کہ ہمارا ہمارا خدا بادشاہ، خدا کا بنایا رسولؐ بادشاہ۔ دن رات گانوں کی آوازیں ہمارے اعصاب پر محیط رہتی ہیں۔ رات کو سونے سے پہلے ماں اپنے بچوں کو تلقین نہیں کرتی کہ کلمہ شہادت پڑھ کر سونا چاہیئے، نہ کوئی باپ اپنی اولاد کو بیدار ہونے کے بعد کلمہ طیبہ پڑھنے کے لئے کہتا ہے۔ کوئی نہیں کہتا کہ دولت پرستی انسانی زندگی کے لئے ناسور ہے۔

(۱۶۶) پیراسائیکالوجی اور سائیکالوجی میں بنیادی فرق یہ ہے کہ نفسیات یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ شعور فلش ہے جو اس کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ سمجھتا ایسا ہی ہے جیسے دو سال کا بچہ ماں باپ کے کہے ہوئے الفاظ دہرا دیتا ہے جب کہ پیراسائیکالوجی کے علوم جو اس کے پس پردہ علوم کی حقیقت منکشف کرتے ہیں۔ یہ علوم بتاتے ہیں کہ زمانیت و مکانیت کا شعور و حواس سے کیا تعلق ہے۔ اور ان کا ذریعہ (SOURCE) کیا ہے۔

(۱۶۷) پیراسائیکالوجی (PARAPSYCHOLOGY) کی رُو سے ماورائی طاقت حاصل کرنے کے لئے فردی ہے کہ دماغ کی کارکردگی اور دماغ کے کمپیوٹر کو سمجھ لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ جب تک عملاً اس نظام سے الگ ہو کر دماغ کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے، دماغ کی کارکردگی اور دماغ میں موجود مخفی صلاحیتیں ہمارے سامنے نہیں آئیں گی۔ ان مخفی اور لامحدود صلاحیتوں سے آشنا ہونے کے لئے یہ امر لازم ہے کہ ہم اس بات سے واقف نہ ہوں کہ مفروضہ جو اس کی گرفت سے آزاد ہونا ممکن ہے۔

(۱۶۸) انسان کیا ہے؟ روح ہے۔ روح کیا ہے؟ اللہ کا امر ہے۔ ذرا بھی تفکر سے کام لیا جائے تو یہ بات سورج کی طرح روشن ہے کہ ہم بحیثیت مجموعی اور بحیثیت فرد روح ہیں۔ رُوح اللہ کا امر ہے۔ امر اللہ کا ارادہ ہے اور اللہ کا ارادہ جب حرکت میں آجاتا ہے تو کائنات کے مظاہر چمپنے لگتے ہیں۔ اتنی تعداد میں چمپتے ہیں کہ دنیا کی شماریات عاجز ہیں۔

اسے میری ماں، میری بہن، میری لخت جگر سیٹی، عورت اور مرد ایک اللہ کی تخلیق ہے۔ ہر مرد اور ہر عورت کے اندر ایک اللہ کی رُو ہے۔ ہر عورت کے اندر بھی وہ تمام صفتیں اور صفات موجود ہیں جو قدرت نے مرد کو ودیعت کی ہیں۔ جب ایک عورت راہِ بدھری بن سکتی ہے تو دنیا کی تمام عورتیں اپنے اندر اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں کو بیدار کر کے اپنے نامِ اولیاء اللہ کی فہرست میں ثبت کر سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا انعام عام ہے، آگے بڑھو اور اپنی روحانی طاقت سے نوبہ انسانی کے اوپر سے شیطانی غلبہ کو ختم کر دو۔

کوئی مسئلہ اس وقت تک قابلِ حل نہیں ہے جب تک صاحبِ مسئلہ خود اس مسئلے کو حل کرنے پر آمادہ نہ ہو۔ ساری دعائیں، وظیفے اور دوائیں صرف ایک ہی کام انجام دیتی ہیں، وہ یہ کہ سائل بیمار ہو یا پریشان حال، اس کے اندر قوتِ ارادی میں اضافہ ہو اور اس کے اندر اتنی دلِ پادری پیدا ہو جائے کہ وہ مسائل و معاملات کی بھول بھلیوں سے نکل کر ذہنی یکسوئی کے ساتھ آزاد ہو سکے۔

الفاظ کا سہارا لینا اور اصل شعوری کمزوری کی علامت ہے اس لئے کہ شعورِ الفاظ کا سہارا لئے بغیر کسی چیز کو سمجھ نہیں پاتا۔ جب کوئی بندہ ٹیٹل پیٹی کے اصول و ضوابط کے تحت خیالات کی منتقلی کے علم سے وقوف حاصل کر لیتا ہے تو اس کے لئے دونوں باتیں برابر ہو جاتی ہیں چاہے کوئی خیالِ الفاظ کا سہارا لے کر منتقل کیا جائے یا کسی خیال کو لہروں کے ذریعے منتقل کر دیا جائے۔ ہر آدمی کے اندر کمپیوٹر نصب ہے جو خیالات کو معنی اور مفہوم پہنکا کر الگ الگ کر دیتا ہے اور آدمی اس مفہوم سے باخبر ہو کر اس کو قبول کرتا ہے یا رد کر دیتا ہے۔

پوری نوبہ انسانی کے افراد زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ دیوستہ ہیں۔ ایک کڑی کمزور ہو جائے تو ساری زنجیر کمزور ہو جاتی ہے۔ ایک کڑی ٹوٹ جائے تو زنجیر میں جب تک دوسری کڑی ہم رشتہ نہ ہو جائے زنجیر نہیں کھلائے گی۔ اتحاد و یگانگت مافی کو پُر وقار، حالی کو مسرور اور مستقبل کو روشن اور تابناک بنانے کے لئے ہر کڑی کا دوسری کڑی کے ساتھ اتصال ضروری ہے۔

(۱۴۳) قرآن بہ آواز بلند فرماتا ہے کہ "قرآن تسخیری فارمولوں کی کتاب ہے۔ اقوام عالم میں ممتاز ہونے کے لئے اس میں غور کرو، تفکر کرو، اس کو جانو، اس کو پہچانو۔ آخر ہم لوگ اللہ کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔" اللہ کی عظمت، بزرگی اور صلاحی کو سمجھنے کے لئے اس کی تخلیق اور نظامِ ربوبیت پر غور کرو۔ ایجادات و ترقی اور علم و ہنر کا جو سورج آج مغرب میں روشن ہے کسی مشرق میں چمکتا تھا اور جب مشرقی اقوام بالعموم اور مسلمانوں نے بالخصوص علم و ہنر کے اس سورج سے اپنا رشتہ منقطع کر لیا تو علم و ہنر نے بھی مسلمانوں سے اپنا رشتہ توڑ لیا۔

(۱۴۴) اگر تجھے کچھ یاد نہیں آتا تو سن! تو نے کفر ان عظیم کیا۔ تو نے جان بوجھ کر خود کو تکلیف و رنج کے حوالے کر دیا۔ آزادی کی نعمت کو ٹھکرا کر غلامی کا طوق اپنے گلے میں پہن لیا۔ پابندیوں کو اپنے پیروں کی بیڑیاں بنالیا۔ تو نے اپنی لاتناہی صلاحیتوں کو تنہا ہیست کے اندھیرے غاروں میں دھکیل دیا۔ تیری ان حرکتوں سے آسمان رو دیا اور سرشتوں نے ندامت سے سر جھکا لیا۔

(۱۴۵) عرفانِ نفس، معرفتِ الہیہ کا دروازہ انسان پر کھول دیتا ہے اور عرفانِ نفس کے حصول کے سلسلے میں اہل روحانیت کو جن مدارج سے گزرنا پڑتا ہے ان میں سب سے پہلا درجہ "لا" ہے یعنی سب سے پہلے انسان کو اپنی روایتی معلومات اور شعوری علم کی نفی کرنی پڑتی ہے اور پھر اس کے بعد روحانیت کے اسی راستے پر چلتے ہوئے انسان ایسے درجہ پر پہنچ جاتا ہے جہاں اس پر اپنی حقیقت آشکار ہو جاتی ہے یعنی نفس کا عسرفان حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے سالک کو ایک معینہ اور مقررہ راستے پر سفر کرنے کے لئے شیخ یا مرشد کی راہنمائی لازمی ہے۔

(۱۴۶) ایک ہی چیز ایک آدمی کے لئے خوشی اور دوسرے کے لئے غم کا باعث ہے۔ ایک چیز کے بارے میں مختلف لوگوں کی مختلف آرا رہتی ہیں حالانکہ حقیقت ایک اور صورت ایک ہو سکتی ہے۔ عام شاہدہ ہے کہ ہمارے نگاہ کے سامنے مظاہر میں ہر وقت تغیر ہوتا رہتا ہے۔ آبادی ویرانہ میں اور ویرانہ آبادی میں بدل جاتا ہے۔ یہ تغیر دنیا کس طرح حقیقی ہے جب کہ حقیقت میں تغیر نہیں ہوتا۔

(۱۷۷)

یہ بات ہمارے مشاہدے میں ہے کہ جب ہم کسی سے قربت چاہتے ہیں تو اس کی عادت و اطوار اختیار کر لیتے ہیں۔ اگر ہم نمازی سے دوستی کرنا چاہتے ہیں تو نمازی بن جاتے ہیں۔ تماش کیلئے والے کے ساتھ دوستی کرنا چاہتے ہیں تو تماش کیلئے شروع کر دیتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اسی طرح اگر ہم شیطان سے قربت کے خواہشمند ہیں تو شیطان کے اوصاف پسند کرتے ہیں اور اگر رحمان سے قربت چاہتے ہیں تو رحمان کی صفات اختیار کرتے ہیں اور رحمانی کی صفات یہ ہیں کہ وہ اپنی مخلوق کی خدمت میں ہمہ وقت مصروف ہے۔

(۱۷۸)

ہم جب کائنات کی تخلیق پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ ہماری کائنات اللہ کی آواز ہے۔ اللہ نے جب اپنی آواز میں کُن کہا تو ساری کائنات وجود میں آگئی۔ خدا جب اپنا تعارف کرانا ہے تو کہتا ہے کہ میں مخلوق کا دوست ہوں۔ جس طرح ایک باپ اپنے بیٹے کو نہیں بھولتا اسی طرح خدا بھی اپنی مخلوق کو کبھی فراموش نہیں کرتا۔ وہ خدا جو ہمارا رب ہے، جو ہمارے لئے ہر طرح کے وسائل پیدا کرتا ہے اور ہمیں زندگی کے نئے نئے مراحل اور نئے نئے تجربات سے گزارتا رہتا ہے بلا شک و شبہ ہمارا دوست ہے۔

(۱۷۹)

دنیا کی جہر پسند ایک ڈگر پر چل رہی ہے۔ نہ یہاں کوئی چیز اچھی ہے نہ بُری ہے۔ ایک بات جو کسی کے لئے خوشی کا باعث ہے وہی دوسرے کے لئے پریشانی اور اضطراب کا سبب بن جاتی ہے۔ یہ دنیا معافی اور مفہوم کی دنیا ہے۔ جو جیسے معافی پہنا دیتا ہے اس کے اوپر ویسے اثرات مرتب ہو جاتے ہیں۔ پھر کیوں دنیا کے ٹھیلوں میں پڑ کر وقت کو برباد کیا جائے۔ یہ جو دو چار سانس کی زندگی ہے اسے ضائع نہ کر۔

(۱۸۰)

تاریخ بتاتی ہے کہ جن قوموں میں دولت پرستی عام ہو گئی وہ قومیں صفحہ ہستی سے مٹا دی گئیں۔ قومیں گناہوں سے نیست و نابود نہیں ہوتیں۔ گناہ و معات کر دیئے جاتے ہیں۔ شرک ایک ایسا گناہ ہے جو کسی صورت معاف نہیں کیا جاتا اور دولت پرستی سب سے بڑا شرک ہے۔ اس شرک کو ہمیز دینے والے بڑے عوامل میں سے ایک گناہ و ناکمل سود ہے، سود جو رزق کو حرام کر دیتا ہے۔

بچہ چھوٹا ہوتا ہے تو اپنے ماں باپ کو پیار کرتا ہے، پھر اپنے بہن بھائی کو اور جیسے جیسے بڑا ہوتا ہے وہ اپنے کہنے، سماج، فرقے، ملک، قوم اور نوبہ انسان سے پیار کرنا شروع کر دیتا ہے لیکن اس کے باوجود مطمئن نہیں ہوتا۔ اس کے اندر محبت اور پیار کی تشنگی باقی رہتی ہے۔ آج کا بچہ کل کا بوڑھا ہونے تک پیاسا ہی رہتا ہے اور تشنگی اس وقت تک نہیں کھتی جب تک وہ نہیں جان لیتا کہ سچا، بے غرض اور عظیم الشان محبوب کون ہے۔ پیار کی پیاس اس وقت بجھ جاتی ہے جب ہم اپنے لازوال محبوب جل جلالہ کو آنکھ سے دیکھ لیتے ہیں۔

جو لوگ خود شناسی سے آگے اللہ کے راستے پر قدم اٹھا چکے ہیں ان کے اوپر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ انسانوں کو اُس راستے پر چلنے کی دعوت دیں جو صراطِ مستقیم ہے اور جس راستے پر چلتے والے لوگوں پر انعام کیا جاتا ہے اور اُن کے اوپر عسرفان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ انہی کاموں کو انجام دینے کے لئے خدا نے آپ کو "خیر امت" کے عظیم لقب سے سرفراز کیا ہے۔

ایک دفعہ کچھ جی تیسری گرفتار ہو کر آئے۔ ان میں ایک عورت بھی تھی جس کا دودھ پتیا بچہ اس سے بچھ لگیا تھا۔ وہ مانتا کی ماری ایسے بے قرار تھی کہ جس چھوٹے بچے کو دیکھتی اُسے اپنے سینے سے لگا کر دودھ پلانے لگتی۔ اس عورت کا یہ حال دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا "کیا تم توقع کر سکتے ہو کہ ماں اپنے بچے کو خود اپنے ہاتھ سے آگ میں پھینک دے گی؟" صحابہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! خود پھینکنا تو درکنار، اگر بچہ آگ میں گرنے لگے تو یہ اپنی جان دے کر بھی بچے کو بچائے گی" نبیِ حقؑ نے فرمایا "خدا اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے۔"

انسان ایسی زندگی چاہتا ہے جو فنا سے نا آشنا ہو۔ ایسی صحت چاہتا ہے جو بیماریوں سے متاثر نہ ہو۔ ایسی جوانی چاہتا ہے جو بڑھاپے میں تبدیل نہ ہو لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا۔ جوانی بڑھاپے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ صحت اور تندرستی کے اوپر بیماریوں کا غلبہ ہر حال ہوتا رہتا ہے۔ انسان زندگی کے نشیب و فراز سے کتنا ہی فرار چاہے کامیاب نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ دنیا میں کوئی چیز بے ثباتی سے خالی نہیں۔

(۱۸۵) پریشان حالی اور درماندگی نے ہشت پابن کروہ انسانی کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے، درآسنا ایک اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں نور انسانی وہ مخلوق ہے جو اللہ تعالیٰ کی اُن نعمتوں کی حامل ہے جن کے متحمل ہونے سے سموات، ارض و جبال نے عاجزی کا اظہار کر دیا تھا۔ قانون قدرت ہے کہ جب کوئی قوم صراطِ مستقیم سے بھٹک جاتی ہے تو وہ امتحان کی چکی میں پسنے لگتی ہے تاکہ صعوبتوں، پریشانیوں اور عدم تحفظ کے زہریلے احساس سے محفوظ رہنے کے لئے وہ راستہ تلاش کرے جو فلاح اور سلامتی کا راستہ ہے۔

(۱۸۷)

اللہ تعالیٰ کی ذات لاتنا ہی ہے۔ اس لئے اللہ کی صفات کا علم بھی لاتنا ہی ہے۔ آدم کو اللہ نے جو علم عطا کیا ہے وہ بھی لاتنا ہی ہے۔ یہ علم سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ جب آدم کی حیثیت فرشتوں سے افضل قرار پائی تو کائنات میں موجود تمام انواع و موجودات سے آدم افضل ہو گیا، اس لئے کہ آدم کے پاس لاتنا ہی صفاتی علم ہے۔ اللہ کی صفات کیا ہیں؟ اللہ بحیثیت ذات خالق ہے اور اللہ کی تمام صفات بحیثیت خالق کائنات کے تخلیقی عناصر اور تخلیقی فارمولے ہیں۔ یہی وہ امانت ہے جو آدم کو اللہ نے اپنی رحمت خاص سے عطا فرمائی ہے۔

(۱۸۸)

اللہ نے ایک تصویر بنائی، ایسی خوبصورت تصویر جو اپنے توازن، اعتدال، معتین مقدا روں، رنگ و روپ، جذب و کشش اور حسن کے معیار میں منفرد ہے۔ یکتا ہے، بے مثال ہے۔ تصویر دیکھتی بھی ہے، سنتی بھی ہے، بولتی بھی ہے، محسوس بھی کرتی ہے اور دوسروں کا دکھ درد بھی بانٹتی ہے۔ اگر کوئی بندہ اس تصویر کو داغ دار کرنا چاہے اور اپنے ظلم و جہالت سے تصویر کو خراب کر دے تو یقیناً یہ سب سے بُری بات ہے۔

(۱۸۹)

گفتگو میں آدمی کا عکس جھلکتا ہے۔ خوش آواز آدمی کے لئے اس کی آواز تسخیر کا کام کرتی ہے۔ جب بھی کسی مجلس میں یا کئی محفل میں بات کرنے کی ضرورت پیش آئے، وقار اور سنجیدگی کے ساتھ گفتگو کیجئے۔ مسکراتے ہوئے نرمی کے ساتھ منہ سے لہجے میں بات کرنے والے لوگوں کو مخلوق عزیز رکھتی ہے۔ پیچ کر بولنے سے اعصاب میں کھینچاؤ (TENSION) پیدا ہوتا ہے اور اعصابی کھینچاؤ سے بالآخر آدمی دماغی مرض میں مبتلا ہے۔

(۱۸۹) فعل و عمل میں اپنی ذات کو اولیت دینے سے جو خوں وجود میں آتا ہے وہ انسان کا رشتہ لازمانیت اور لامکانیت سے منقطع کر دیتا ہے۔ وہ ایک محدود دائرے کے اندر سوچتا، سمجھتا اور محسوس کرتا ہے۔ کائنات ایک مادہ دار المادہ اور لامحدود ہے۔ جن لوگوں نے اپنے اعمال و افعال کا مرکز و منتہا اللہ کو بنالیا اور خود کو لامحدود و ہستی کے حوالے کر دیا وہ ہر چیز کو اللہ کے واسطے (REFERENCE) سے پہچانتے ہیں۔ ان کے اندر الہی رُوح آشکار ہو جاتی ہے۔

(۱۹۱) ہر سپید ہونے والی شے میں کسی نہ کسی رنگ کا غلبہ ضرور ہوتا ہے کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جو بے رنگ ہو۔ یہ رنگ اور بے رنگ دراصل خالق اور مخلوق کے درمیان ایک پردہ ہے۔ خالق کو مخلوق سے جو چیز الگ اور ممتاز کرتی ہے وہ رنگ ہے۔ انسان کے اندر جب تخلیقی صفات کا مظاہرہ ہوتا ہے یا اللہ اپنے فضل سے تخلیقی صلاحیتوں کا علم بیدار کر دیتا ہے تو بندے کے اوپر یہ بات نکشف ہو جاتی ہے کہ کوئی بے رنگ خیال جب تک نہیں ہو جاتا ہے تو تخلیق عمل میں آجاتی ہے۔ اللہ بحیثیت خالق درائے بے رنگ ہے۔

(۱۹۲) آئیے! سراغ لگائیں کہ وہ کون سے اسباب ہیں جن کی وجہ سے شومن حاکم اور محکم بن گئے ہیں۔ دو وجوہات ہیں۔ دنیا کی محبت اور مرنے کا خوف۔ ایک باہمت اور بہادر انسان جس کا دل خالق کائنات کی محبت میں سرشار ہے موت کے خوف وجود کو اپنے سامنے دیکھ کر سکراتا ہے۔ تاریخ میں ایسے بے شمار افراد کا تذکرہ ملتا ہے جنہوں نے جام شہادت اس طرح ہنستے مسکراتے پی لیا جیسے شہد کا پیالہ ہو۔

(۱۹۰) قرآن مجید ہمیں ایسی اخلاقی اور روحانی قدروں سے آشنا کرتا ہے جن میں زمان و مکان کے اختلاف سے تبدیلی نہیں ہوتی اور ایسے مضابطہ جات سے متعارف کرتا ہے جو دنیا میں رہنے والی ہر قوم کے لئے قابل عمل ہے۔ اگر قرآن کی تباہی ہوئی اخلاقی اور روحانی قدریں سوٹر لینڈ کی منجمد فضاؤں میں زندہ اور باقی رہنے کی صلاحیت رکھتی ہیں تو افریقہ کے تپتے ہوئے صحرا بھی ان قدروں سے مستفیض ہوتے ہیں۔

(۱۹۳) بیوی کی اہمیت و عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اس الخالقین کی ایسی صنعت ہے جس کو اللہ نے تخلیق آدمیت اور اس کی نشوونما کا مظہر بنا دیا ہے۔ شوہروں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ پوری فراخ دلی کے ساتھ فقیہ حیات کی ضروریات پوری کریں اور اپنی بیویوں کو تنگ نہ کریں۔ اس حق کو خوش دلی کے ساتھ پورا کرنے کے لئے جدوجہد اور دوڑ دھوپ کرنا پاکیزہ عمل ہے۔ اس عمل کو انجام دینے سے نہ صرف یہ کہ دنیا میں ازدواجی زندگی کی نعمت ملتی ہے بلکہ اچھا اور مخلص شوہر آخرت میں بھی اجر و انعام کا مستحق بنتا ہے۔

(۱۹۴) یہاں شہر پسند لوگوں کے دوش پر رواں دواں ہے۔ یہاں جہاں زندگی کو خوش آرام بناتی ہیں، مصیبت و ابتلا میں کبھی مبتلا کر دیتی ہیں۔ نور کے قلم سے نکلی ہوئی ہیکر نور ہے اور نور جب مظہر بنتا ہے تو روشنی بن جاتا ہے۔ روشنی کم ہو جائے تو اندھیرا ہو جاتا ہے۔ آدم نے اس اندھیری دنیا میں قید ہونے کو معراج سمجھ لیا ہے۔ وہ اس بات پر خوش ہے کہ اسے روشنی کے سمندر سے چند قطرے مل جائیں۔

(۱۹۵) محبت پر کون زندگی اور اطمینان قلب کا ایک ذریعہ ہے۔ اس لئے کوئی انسان جس کے اندر محبت کی لطیف لہریں دوڑ کر رہی ہیں وہ مصائب و مشکلات اور پچھیدہ بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اس کے چہرے میں ایک خاموش شہیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے بغلاف نفرت کی کثیف، شدید اور گرم لہریں انسانی چہرہ کو مجلس دیتی ہیں اور دماغ کو آنا بوجھل اور تاریک کر دیتی ہیں کہ زندگی میں کام آنے والی لہریں مسموم اور زہریلی ہو جاتی ہیں۔ اس زہر سے انسان طرح طرح کے مسائل اور قسم قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(۱۹۶) عالم رنگ و بو میں جتنی بھی مخلوق ہے وہ سب آپس میں ایک برادر ہی ہے۔ ہلکشتی سیارے ہوں یا اُن سیاروں میں بسنے والی نوعیں یا فوٹوں میں الگ الگ افراد ہوں، سب کے اندر ایک ہی خون دوڑ کر رہا ہے۔ سب کی پیدائش ایک ہی فادوے کے تحت عمل میں آ رہی ہے۔ سمندر، پہاڑ، آفتاب و نجوم سب انسان کے بھائی ہیں۔

(۱۹۷) مٹی صرف خود کو پہچانتی ہے اور اپنے ایک ایک عضو کو اپنی لکھ سے وابستہ رکھتی ہے۔ مٹی کو اگر ایک فرمان لیا جائے تو مٹی سے نئی ہوئی ہر چیز مٹی کے اعضا ہیں۔ تانبا، لوہا، جواہرات، سونا، چاندی وغیرہ مٹی کے وہ اعضا ہیں جن پر مٹی کا تشخص قائم ہے۔ آدمی کا جسم بھی مٹی ہے لیکن آدمی چونکہ اللہ کی امانت کا امین ہے اس لئے مٹی کا شعور آدمی کو دوسرے اعضا کے مقابلے میں اپنا قلب سمجھتا ہے اور جب کسی جسم میں قلب متاثر ہو جاتا ہے تو بالآخر جسم مفلوج اور ناکارہ بن جاتا ہے۔ مفلوج اور ناکارہ جسم کی حیثیت زمین پر بوجھ کے سوا کچھ نہیں رہتی۔

(۱۹۸) اللہ کے جو بندے رُوحانی آگہی کے ناپید اکتا رہ سمدیں اُتر جاتے ہیں ان کے اوپر سے ناظم اسپیس کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے اور زمان سے پیدا شدہ تمام عوامل رنج و غم، پریشانی و اضمحلال، فکر و تردد سے اپنا رشتہ منقطع کر لیتے ہیں۔ جب کوئی بندہ اس دائرہ کار میں منتقل ہو جاتا ہے تو اس کے اوپر انعام و اکرام کی بارش ہونے لگتی ہے اور ساری کائنات اس کے گرد گھومتی ہے۔

(۱۹۹) عالم انسانی کے قریب نفس حضرات وہ ہیں جو اپنے اندر کام کرنے والے ہیکشانی نظام سے باخبر ہوتے ہیں۔ جب کوئی بندہ اپنے INNER سے واقف ہو جاتا ہے اور آنکھوں کے سامنے سے TIME & SPACE کا پردہ اٹھ جاتا ہے تو وہ دیکھ لیتا ہے کہ سب کچھ اُس کے اندر ہے۔ انسان کے اندر ایک نقطہ ہے اور یہ نقطہ کائنات کی مائیکرو فلم ہے۔ اس نقطہ کو جب پھیلنے اور نشر ہونے کا موقع دیا جاتا ہے تو ساری کائنات دماغ کی اسکرین پر فلم بن کر متحرک ہو جاتی ہے۔

(۲۰۰) نوبع انسانی کے لئے معاشرتی، علمی، اخلاقی اور رُوحانی ترقیوں کے اصول و قواعد کھول کھول کر مفسر آن حکیم میں لکھ دیئے گئے ہیں۔ قرآن نوبع انسانی کا ورثہ ہے۔ نوبع انسانی میں جو قوم اس ورثہ سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے قرآن اُس کی رہنمائی کرتا ہے اور جو قوم اس ورثہ سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتی مفسر آن اُس کی رہنمائی نہیں کرتا۔

(۲۰۱) کائنات کی تخلیق دو درخوں پر کی گئی ہے۔ ایک درخ سے دوسرا درخ ایک مرحلہ ہے اور ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں قدم رکھنا ایک امتحان ہے۔ آپ در اس بچے کا قصور کیجئے جو کمرہ امتحان میں بیٹھ کر جب پرچہ سامنے آئے تو بجائے پرچہ حل کرنے کے ردفا شروع کر دے، فریاد کرنے لگے اور احتجاج کرے کہ میرا امتحان کیوں ہو رہا ہے۔ نشوونما اور انسانیت کی فلاح اور ترقی کُنڈن ہوئے ہوئے بغیر ممکن نہیں ہے۔ امتحان کی بھٹیوں سے گزر کر ہی سونا کنڈن بنتا ہے۔ تو براء انسانی ان بھٹیوں سے نہ گزری ہوتی تو آج بھی لوگ غاروں میں مکس ہوتے۔

(۲۰۲) یہ بات کس کے علم میں نہیں ہے؟ آدمی اگر سچا سچا کمر دل کا مکان بھی بنائے تو سوئے گا وہ ایک ہی چار پائی کی جگہ۔ ہو بس زریں اگر سونے چاندی کے خزانے جمع کرے مگر سپیٹ کے ایندھن کے طور پر وہ دوہی روٹی کھاتا ہے معنوی دشمنوں اور خوشبوؤں سے ماحول کو کتنا ہی رنگین اور معطر کر لیا جائے آدمی کے اندر موجود دُشمنانہ کافیم البدل نہیں ہو سکتا۔

(۲۰۳) مسلمان کے پاس روحانی علوم کا جتنا بڑا سرمایہ موجود ہے وہ اسی مناسبت سے غلوک الحال ہے۔ مسلمان کے اسلاف نے اس کے لئے مالکیت اور تسخیر کائنات کے بڑے بڑے خزانے ترکے میں چھوڑے ہیں لیکن مسلمان وہ بد نصیب قوم ہے جس نے پیرے کو پتھر کہہ کر پھینک دیا ہے اور اس خزانے مستغنی ہونے کی صلاحیت کو بیٹھا ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ مصلحتوں کے پیش نظر مسلمان کو تفکر کی راہ سے ہٹا دیا گیا ہے۔ اور اس کے سامنے ایسی تہج آگئی ہے جہاں اس کا ہر عمل کاروبار بن گیا ہے۔

(۲۰۴) انسان پیداؤش کے بعد سے بڑھاپے تک مسلسل ایک جنگ لڑتا رہتا ہے۔ وہ ہر حال میں فتح یاب ہو کر سرخ رُو ہونا چاہتا ہے لیکن بالآخر حیات بڑھاپے کی ہوتی ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ موت بڑھاپے کے اوپر چھا جاتی ہے۔ حیات کی ابتدائیت ہی شاندار کیوں نہ ہو ہر آن اور ہر لمحہ انسان کو موت کی آنکھ کھولتی رہتی ہے۔

(۲۰۵) پیدائش سے موت تک کی زندگی کا احاطہ کیا جائے تو یہی عمر آتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں پیدائش کے بعد ایامِ رضاعت (بچپن) میں، لڑکپن، جوانی اور بڑھاپے میں اشد وہ تمام ضروریات اور وسائل فراہم کرتا ہے جن کی آدمی کو ضرورت پڑتی ہے، سورج، چاند یا زمین کے اندر وسائل پیدا کرنے کی صلاحیت ایک مرکز کے تحت آدمی کی خدمت گزاری میں مصروف ہے۔ خدمت کا یہ سلسلہ ایک مخصوص نظامِ الاوقات اور قانون کے تحت قائم و دائم ہے، ایسا قانون جو اشد نے خود بنایا ہے اور خود اس کو جاری رکھے ہوئے ہے۔

(۲۰۶) اللہ کی طرزِ فکر یہ ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی خدمت کرتا ہے اور اس خدمت کا کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ بندہ جب اختیاری طور پر اس طرزِ فکر کو اختیار کر لیتا ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ کی مخلوق کے کام آئے تو اسے قلندرِ شہورِ منتقل ہو جاتا ہے۔ اس کے مشاہدات میں بے شمار ایسے واقعات آتے ہیں کہ اس کے اندر یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے، جو کچھ ہو چکا ہے یا آئندہ ہونے والا ہے وہ سب ایک فلم ہے۔

(۲۰۷) ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی مخلوق پرندے، اربوں کھربوں کی تعداد میں دانہ چلگتے ہیں لیکن یہ سب محل نہیں ہوتا کہ کسان جب کھیتی کاٹتا ہے تو ایک دانہ نہیں چھوڑتا، ان پرندوں کے لئے کوئی مخصوص کاشت نہیں ہوتی تو پھر یہ پرندے کہاں سے کھاتے ہیں؟ قانون یہ ہے کہ پرندوں کا غول جب زمین پر اس ارادے سے اترتا ہے کہ میں دانہ چلگنا ہے تو اس سے پہلے کہ ان کے پنجے زمین پر لگیں قدرت وہاں دانہ پیدا کر دیتی ہے۔ اگر پرندوں کی غذا کا دار و مدار کسان پر ہوتا تو سارے پرندے بھوک سے مر جاتے۔

(۲۰۸) اللہ کی عظمت کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ ایک لفظ میں ساری کائنات کو سمودیا ہے۔ اس لفظ میں اربوں، کھربوں بلکہ انگنت عالم بند ہیں۔ یہ لفظ جب عکس ریز ہوتا ہے تو کہیں عالمِ ملکوت و جبروت آباد ہو جاتے ہیں اور کہیں اہکشتانی نظام اور سیارے منظر بن جاتے ہیں۔ کتنی اہم بات ہے یہ لفظ "ہرآن اور ہر لمحہ نئی صورت" میں جلوہ فگن ہو رہا ہے۔

زمین میں بہت سی جزئی بوٹیاں ایسی پائی جاتی ہیں جن کے بیج خشکاش سے میں گنا چھوٹے ہوتے ہیں۔ قدرت نے ان کے اندر دو جزئی ہوئی پتیاں ڈنڈی جو جزا میں بن کر زمین میں پیوست ہو جاتی ہیں، ایک گرہ جو ڈنڈی بنتی ہے اور اس بیج میں جزا پکڑنے سے پہلے چند روز کی غذا محفوظ رکھتی ہے۔ اسے عقل والو غور کرو! تذکر کے ساتھ کائنات کے اندر جہانک کر دیکھو اور اندازہ لگاؤ کہ اتنے کم وسعت بیج میں جب قدرت نے زندگی کا اتنا بڑا ذخیرہ محفوظ کر دیا ہے تو اللہ کے نائب انسان میں کتنے خزانے محفوظ ہوں گے۔

انفرادی یا اجتماعی جدوجہد کے نتیجے میں ترقی نصیب ہوتی ہے اور انفرادی یا اجتماعی تساہل یا عیش پسندی کے نتیجے میں قوموں کو عروج کے بجائے زوال نصیب ہوتا ہے۔ ترقی کے یہی دو رخ ہیں۔ توفیق کی ایک حالت یہ ہے کہ کسی فرد یا کسی قوم کو دنیاوی عزت، دنیاوی دبدبہ اور دنیاوی شان و شوکت نصیب ہو۔ ترقی کا دوسرا رخ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ظاہری حالت میں بہتے ہوئے جس فرد یا قوم کی ساری غیب کی دنیا تک ہوتی ہے دراصل وہی اصلی ترقی اور شان و شوکت ہے۔

ہم پیدا ہونے سے پہلے کہاں تھے؟ اس کا آسان سا جواب یہ ہے کہ پیدا ہونے سے پہلے تمام انسان، حیوانات عالم ارواح میں موجود تھے۔ عالم ارواح سے منتقل ہو کر عالم ناسوت (مادی دنیا) میں آگئے لیکن جب ہم عالم ارواح کا تذکرہ کرتے ہیں تو یہ بات تشریح طلب بن جاتی ہے کہ عالم ارواح کیا ہے؟ عالم ارواح کا علم لامتناہی علم ہے لیکن اللہ نے جن لوگوں کو یہ علم عطا کیا ہے وہ اس علم سے روشناس ہیں اور علم اپنے شاگردوں کو منتقل کر دیتے ہیں۔

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اپنی جگہ اہم ہیں، فرض ہیں، ضروری ہیں اس لئے کہ ان ارکان کی ادائیگی سے روح کو تقویت ملتی ہے، روحانی صلاحیتیں متحرک اور بیدار ہوتی ہیں لیکن یہاں معاملہ الٹا اور برعکس ہے کہ یہ تہیہ نہیں چلتا کہ روح کی صلاحیتیں ہمارے اندر موجود بھی ہیں یا نہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم عمل تو کرتے ہیں، عمل کی حقیقت کی طرف توجہ نہیں ہوتے۔

(۳۱۳) قلندر مشہور وہ تمام مُبتِ پاش کر دیتا ہے جو انسان کو ماحول سے ورثے میں ملتے ہیں۔ بے یقینی کا بُت، بھوک و افلاس سے خوف کا بُت، موت کے ڈر کا بُت، عزت و بے عزتی کا بُت۔ طلسماتی دنیا زیر و زبر ہو جاتی ہے تو انہ (INNER) میں یقین کا ایک ایسا پیلن بن جاتا ہے جہاں نظر اللہ کے سوا کچھ نہیں دیکھتا دل اللہ کے سوا کسی اور کو محسوس نہیں کرتا، جہاں علم بے عمل جہالت ہے اور جہاں بے یقینی شرک ہے اور یقین جاوداتی زندگی ہے۔

(۳۱۴) پانی اور رے کوئی الگ الگ چیز نہیں ہے۔ پانی ہو یا شراب دونوں ایک ہی فارمولے کے تحت وجود میں آتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پانی میں تخلیقی فارمولہ براہِ راست کام کر رہے ہیں اور شراب تخلیقی فارمولوں میں رد و بدل کے ساتھ بنتی ہے۔ شراب کے نام پر لوگ جھگڑتے ہیں۔ آخر وہ کیوں ان روز و نکات پر غور نہیں کرتے شراب مٹی ہے، ساغر بھی مٹی ہے، ہم خود مٹی ہیں۔ ہم ٹوٹ کر کچھ جاتے ہیں تو ہماری مٹی سے پھر ساغر بن جاتا ہے۔

(۳۱۵) قرآن کی آیتوں میں تعقل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر علم کی بنیاد روشنی ہے لیکن آدمی تو یہ بھی نہیں جانتا کہ روشنیوں طبعیت اور ماہیت رکھتی ہیں اور روشنیوں میں رجحانات بھی ہوتے ہیں۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ روشنیوں ہی زندگی ہیں روشنیوں ہی زندگی کی حفاظت کرتی ہیں۔ آدمی صرف مٹی کے پتلے سے واقع ہے، اس پتلے سے جس کے اندر اس کی اپنی کوئی زندگی موجود نہیں ہے، جو سُر انداز خلا سے بنا ہے اور اس کے اندر اپنی ذاتی کوئی حرکت موجود نہیں ہے۔

(۳۱۶) آسمان علم و آگہی کے نور شید منفر و اور تسخیر کائنات کے فارمولوں کے ماہر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے منافقو! کلامِ نبوت سنو۔ آخرت کو دنیا کے عوض فروخت کرنے والو! حق کو مخلوق کے عوض بیچنے والو، باقی کو فنا کے بدلے کاروبار کرنے والو! تمہارا بیوپار سراسر خسارے کا سودا ہے۔ تمہارا سرمایہ تمہیں بربادی کے گڑھے میں دھکیل رہا ہے افسوس تم پر، تم اللہ کے غضب کا ہدف بن رہے ہو۔

(۲۱۷) موجودہ نسل اتنی باشعور ہو چکی ہے کہ اس کے لئے کوئی بات اس وقت قابل قبول ہے جب اسے فطرت کے مطابق پیش کیا جائے۔ سائنس کی ترقی نے انسانی ذہن کو بڑی حد تک بالغ کر دیا ہے۔ ہماری نسل کے بالغ اور باشعور افراد جب اپنے اسلاف کے درجہ علم کو فطری قوانین اور سائنسی تجربات کے مطابق سمجھنا چاہتے ہیں تو انہیں یہ کہہ کر خاموش کر دیا جاتا ہے کہ مذہب چون و چرا انہیں چاہتا مالال کہ قرآن کریم ہر ہر قدم پر علم کی کھلی دعوت دے رہا ہے۔

(۲۱۸) سائنسی تجربات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نباتات، جمادات، حیوانات اور انسانی زندگی ایک برقی نظام کے تحت رواں دواں ہے۔ انسانی جسم سے حاصل ہونے والی بجلی کی طاقت ایک ٹارچ یا جیسی ریڈیو چلانے کے لئے کافی ہے یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ کسی درخت کے پتے پر لٹکی بیٹھ کر اس کے ریشوں کو حرکت دیتی ہے تو اس پتے میں برقی رُود و ڈرنے لگتی ہے۔ اسی طرح انسان کے اندر کیمیائی پیدا ہوتی رہتی ہے اور پورے جسم میں دور کر کے ارتقہ ہو جاتی ہے۔

(۲۱۹) انسان ایک ایسا حیوان ناطق ہے جو الفاظ کی لہروں کے ذریعے اپنے خیالات دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دوسرے حیوان جن کو حیوان غیر ناطق کہا جاتا ہے اپنے خیالات الفاظ کا سہارا لئے بغیر دوسروں تک منتقل کرتے ہیں اور دوسرے حیوان ان خیالات کو قبول کرتے اور سمجھتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ الفاظ کا سہارا لئے بغیر بھی خیالات اپنے پورے معنی اور مفہوم کے ساتھ منتقل ہوتے رہتے ہیں۔

(۲۲۰) روزہ جسمانی امراض کا مکمل علاج ہے اور روحانی قدروں میں اضافہ کرنے کا ایک مؤثر عمل ہے۔ برائیوں سے بچنے کے لئے ایک ڈھال ہے۔ روزہ رکھنے سے جسمانی کثافتیں دور ہو جاتی ہیں اور آدمی کے اندر لطیف روشنیوں کا بہاؤ تیز تر ہو جاتا ہے۔ روشنیوں کے تیز بہاؤ سے آدمی کے ذہن کی رفتار بڑھ جاتی ہے، اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اس کے سامنے فرشتے آ جاتے ہیں۔ اور غیب کی دنیا میں خود کو چلتے پھرتے دیکھ لیتا ہے۔

خدا وہ ذات اور رب وہ ہستی ہے جو سب کے دل میں موجود ہے جس طرح دل کی حرکت کے بغیر زندگی کا تصور نہیں کیا جاسکتا اسی طرح خدا کے بغیر دل کی حرکت کا تصور بے معنی ہے۔ خدا سب کا دوست ہے اور ایسا دوست ہے جو بار بار ہر جہنم میں، پنگوڑے میں، لڑکپن میں، جوانی میں، بڑھاپے میں ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ جہاں میں ایک ہوں وہاں دوسرا خدا ہے، جہاں ہم دو ہیں وہاں تیسرا خدا ہے۔

(۲۲۱)

مطالعہ کائنات کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن میں وضو، نماز، صوم و زکوٰۃ، حج، طلاق وغیرہ پر ڈیڑھ سو آیات ہیں، تفسیری فارمولوں اور مطالعہ کائنات کے متعلق سات سو پچپن آیتیں ہیں۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس میں چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات و ضابطہ کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے لیکن مسلمان نے جب سے اس کتاب کو محض آفات و بلیات سے نجات کا ذریعہ سمجھ لیا ہے اس کتاب کے اندر تفسیری فارمولوں اور کائناتی اسرار و رموز سے محروم ہو گیا۔

(۲۲۲)

انسان دراصل ایک درخت ہے اور اس کی زندگی کے اعمال و کردار اس درخت کے پھل ہیں۔ درخت اپنی جڑ سے نہیں اپنے پھل سے پھینکا جاتا ہے۔ یہی صورت حال انسانی اعمال کی ہے۔ صداقت کا فیصلہ مانگنے سے نہیں اس کے نتائج سے مرتب ہوتا ہے۔ انسان کا خود اپنا عمل اس کا یقین ہے کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا ہے۔ کسی عمل کو پرکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ یہ عمل معاشرہ پر کس طرح اثر انداز ہو رہا ہے۔ اگر اس عمل میں سچائی، گہرائی اور قہرمت موجود ہے تو یہ عمل صحیح اور سچا ہے۔

(۲۲۳)

جب ہم عقل و شعور کا موازنہ کرتے ہیں تو کوئی آدمی ہمیں زیادہ باصلاحیت نظر آتا ہے، کوئی آدمی کم صلاحیت اور کوئی آدمی بالکل بے عقل ہوتا ہے۔ سائنس خلا (SPACE) میں پہلی قدمی کا دعویٰ کر سکتی ہے لیکن ایسی کوئی مثال سامنے نہیں آئی کہ بے عقل آدمی کو عقل مند بنا دیا گیا ہو۔ اللہ ہی اپنی مرضی سے عقل و شعور بخشتا ہے، آدمی کے اندر فکر و گہرائی عطا کرتا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا ذاتی وصف ہے لیکن جب وہ فکر و گہرائی اُن سے چھین لی جاتی ہے تو اس وقت وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

(۲۲۴)

(۲۳۵) موجودات میں ہر چیز کی بنا (BASE) پانی ہے جو صعود و نزول میں رواں دواں ہے۔ ہاں کے پیٹ میں یہی پانی شکل بدل کر بچے کی غذا بنتا ہے۔ پھر یہی پانی دودھ بن جاتا ہے، آم کے درخت میں آم، بیر کے درخت میں بیر، سیب کے درخت میں سیب اور کیلے کے درخت میں کیلا بنتا رہتا ہے یعنی میٹر یا مادہ ایک ہے اور مختلف درختوں میں جا کر مختلف صورت میں جلوہ گر ہو رہا ہے۔ یا بدیع العجائب! یہی صناعی ہے اور کسی عظیم الشان خود مختار قدرت ہے۔

(۲۳۶) جب کسی بندے کے اندر یہ بات یقین بن جاتی ہے کہ اس کائناتی نظام میں ہر چھوٹی سے چھوٹی حرکت اور بڑی سے بڑی شے اللہ کے بناء ہوئے نظام کے تحت قائم ہے تو اس کے اندر یقین کا ایک پیرن بن جاتا ہے۔ اس پیرن کو جب تحریکات ملتی ہیں اور زندگی میں مختلف واقعات پیش آتے ہیں تو ان واقعات کی کڑیاں اس قدر مضبوط، مستحکم اور مربوط ہوتی ہیں کہ آدمی یہ سوچنے اور ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کائنات کا حاکم اُنی اللہ ہے۔

(۲۳۷) زندگی کی اچھی دستاویز رکھنے والا انسان خدا کے ساتھ قریبی تعلق رکھتا ہے اور خدا کی قربت سے نطف اٹھاتا ہے۔ خدا کا ملاپ اُسے بے طلب اور بے توقع ملتا ہے۔ وہ زندگی کے ہر سانس میں خدا سے قربت محسوس کرتا ہے، خدا کو اپنے اندر جلوہ گر دیکھتا ہے، جو خدا کہتا ہے وہ سُنا ہے اور جو خود خدا سے کہتا ہے خدا اسے قبول کر لیتا ہے۔ پھر اس پر زندگی کے وہ راز منکشف ہوتے ہیں جو عالمین کو معلوم نہیں۔

(۲۳۸) ہر آدمی یہ بات جانتا اور سمجھتا ہے کہ خاندان کے افراد جب تک مل جل کر ایک عائلی جذبات کے ساتھ رہتے ہیں ان کی ایک حیثیت ہوتی ہے۔ ان کی اپنی ایک آواز ہوتی ہے، ان کی ایک اجتماعی قوت ہوتی ہے۔ بھارت کے تنکے الگ الگ کر دیئے جائیں اور ہر تنکے سے الگ الگ ضرب لگائی جائے چاہے اس کی تعداد ایک ہزار تک ہو، چوٹ نہیں لگتی۔ لیکن ایک ہزار تنکوں کو ایک جگہ باندھ کر چوٹ لگائی جائے تو جسم پر نیل پڑ جائے گا۔

دنیا میں انفرادی کا ایک عالم برپا ہے۔ ہر شخص کسی نہ کسی لمحہ میں گرفتار ہے۔ ذہنی سکون ختم ہو گیا ہے۔ عدم تحفظ کے احساس سے حزن و ملال کے سائے گہرے اور دیر ہو گئے ہیں۔ اس سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے کہ ہم آفاتِ ارضی و سماوی کی یلغار کی زد میں ہیں۔ ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے دیکھا جائے تو فرمانِ خداوندی کے بموجب انسانی معاشرہ میں آباد لوگوں کے جرائم اور ان کی خطا کاریاں آفتوں اور ہلاکتوں کو دعوت دیتی ہیں۔

استغنا سے مراد صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی روپے پیسے کی طرف سے بے نیاز ہو جائے۔ روپے پیسے اور خواہشات سے کوئی بندہ بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ مریضیاتِ زندگی اور متعلقین کی کفالت ایک لازمی امر ہے اور اس کا تعلق حق الٰہی سے ہے۔ استغنا سے مراد یہ ہے کہ آدمی جو کچھ کرے اس عمل میں اس کے ساتھ اللہ کی غرضنوردی ہو اور اس طرزِ فکر یا عمل سے اللہ کی مخلوق کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچے۔

آپ ذرا لالچ، طمع اور ہوسِ زر کی بندھنوں کو توڑ کر تو دیکھیے، کتنا سکون ملتا ہے۔ دنیا کا کوئی آدمی برا نہیں ہوتا۔ خیالات اچھے یا بُرے ہوتے ہیں۔ آپ کے پاس اگر دولت ہے، اُسے اللہ کی راہ میں سسکتی، رونی اور کر آتی ہوئی مخلوق پر خرچ کیجئے۔ جو کچھ آپ کے پاس ہے اس پر شکر بجالائیے جو نہیں ہے اس پر کڑھائیے نہیں۔ احساسِ کمتری سے خود کو دور رکھیے۔ قدر و منزلت، شرافت و نجابت کا معیار دولت نہیں۔ ہر آدمی کے پاکیزہ اور زندہ خیالات یہاں

نوعِ انسانی کے ماحول اور بالغ شعورِ اخلاقی اور آسمانی مناظر اور مظاہرہ کا مطالعہ کریں اور عقل و دانش کی گہرائیوں سے ان پر غور کریں۔ آپ کہہ دیجئے، مشاہدہ کرو جو کچھ کہے آسمانوں اور زمینوں میں کیا تم مشاہدہ نہیں کرتے؟ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے؟ کیا تم تدبیر نہیں کرتے؟ خدا کی نظر میں بدترین مخلوق وہ لوگ ہیں جو گونگے بہرے میں یعنی گونگے بہرے جیسی زندگی گزارتے ہیں اور تدبیر سے کام نہیں لیتے۔ (قرآن)

(۲۳۲) ہمارا دوست خدا ہمیں تسلسل کے ساتھ سنبھالے ہوئے ہے کہ ہمارا نسلی تشخص برقرار رہے۔ پیدائش کا عمل ایک ہونے کے باوجود کائنات کے ہر وجود کی اپنی الگ ایک شناخت ہے۔ جب ہماری "زمین ماں" ہمارے دکھ سکھ ختم کرنے کے لئے ہمیں اپنی آغوش میں اس طرح سمیٹ لیتی ہے کہ مادی وجود معدوم ہو جاتا ہے تو خدا، ہمارا دوست، ہمیں دوسری دنیا میں نسلی سلسلہ کے خلاف پیدا کر دیتا ہے۔ مرنے جینے کا یہ سلسلہ ازل سے قائم ہے اور ابد تک قائم رہے گا۔

(۲۳۳) فاصلوں کی جیکر بندیوں میں بھنسے ہوئے انسان کے اندر ایسی صلاحیتیں موجود ہیں کہ زمین کی طنائیں اس کے ہاتھ میں ہیں۔ ایک تیار سے دوسرے تیار سے، ایک نظام شمسی سے دوسرے نظام شمسی تک کے فاصلے، غالبی کائنات نے اس کو جو بصارت عطا کی ہے وہ مکانی اور زمانی فاصلوں سے ماورا ہے۔ آدمی کو اس کے بنانے والے نے خلاصہ کائنات بنا کر اپنی تخلیق کا اعلیٰ ترین نمونہ بنایا ہے۔

(۲۳۵) زمین بیمار اور عضو ضعیف کی مانند گواہ رہی ہے۔ خدا را میرے اور اپنے اوپر رحم کرو۔ مگر کوئی کان ایسا نہیں جو اس کی سسکتی ہوئی اور غم میں ڈوبی ہوئی آواز کو سُنے۔ اپنی برتری حاصل کرنے کے لئے قوموں نے ایسے ایسے ہتھیار بنائے ہیں جن کے اوپر موت منڈلا رہی ہے اور ان ہتھیاروں کی موت چاکر ارب انسانوں کی موت کا پیش خیمہ ہے۔ ایک مرتبہ جب کوئی چیز وجود پالیتی ہے تو اس کا استعمال لازمی ہو جاتا ہے۔

(۲۳۶) بے قراری، عدم سکون اور اضطراب سے رنگاری حاصل کرنے کے لئے اسلاف سے جو ہمیں ورثہ ملا ہے اس کا نام مراقبہ ہے۔ مراقبہ کے ذریعے ہم اپنے اندر مخفی صفات کو منظر عام پر لا سکتے ہیں۔ خوف و دہشت میں مبتلا، عدم تحفظ کے احساس میں سسکتی اور مصائب و آلام میں گرفتار نوع انسانی کے لئے مراقبہ ایک ایسا لائحہ عمل ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنا کھویا ہوا اقتدار دوبارہ حاصل کر کے زندہ قوموں کی صفوں میں ممتاز مقام حاصل کر سکتے ہیں۔

(۲۳۷) فتران کو اس عزم، اس دلوے اور ہمت کے ساتھ پڑھئے کہ اس کی نورانی کرنوں سے ہمیں اپنی زندگی سنوارنی ہے۔ قرآن آئینے کی طرح آپ کے اندر ہر ہر داغ اور ہر دھبے نمایاں کر کے پیش کرتا ہے۔ قرآن ایک ایسی انسائیکلو پیڈیا ہے جس میں ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات وضاحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ قرآن میں بیان کردہ نعمتوں سے ہم کتنا فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

(۲۳۸) زندگی کا ہر عمل اپنی ایک حیثیت رکھتا ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ جس چیز کا وجود اس دنیا میں ہے یا آئندہ ہوگا، وہ کہیں پہلے سے موجود ہے۔ یعنی دنیا میں کوئی چیز اس وقت تک موجود نہیں ہو سکتی جب تک وہ پہلے سے موجود نہ ہو۔ کوئی آدمی اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ وہ پیدا ہونے سے پہلے کہیں موجود تھا۔ زندگی کے نشیب و فراز، دن رات اور ماہ و سال کے وقفے پہلے سے ایک فلم کی صورت میں ریکارڈ ہیں۔ یہ ریکارڈ کائناتی فلم بالوچ محفوظ ہے۔

(۲۳۹) جسم انسانی کے اوپر ایک اور انسان ہے جو روشنیوں کا بنا ہوا ہے۔ یعنی بیماریاں، الجھنیں اور پریشانیاں انسان کے اوپر آتی ہیں روشنیوں کے انسان میں آتی ہیں، گوشت پوست کے غائی جسم میں نہیں ہوتیں۔ جسم دراصل ایک اسکرین ہے اور روشنیوں کا انسان فلم ہے۔ فلم میں سے اگر داغ دھبوں کو دور کر دیا جائے تو اسکرین واضح اور صاف نظر آتی ہے۔ بالفاظ دیگر روشنیوں کے انسان میں سے بیماری کو نکال دیا جائے تو جسم خود بخود صحت مند ہو جاتا ہے۔

(۲۴۰) اولیائے کرام اور عارف باطن کشف اور الہام سے وابستہ ہوتے ہیں۔ مراقبہ کے ذریعے کشف اور الہام کی طرف ان کے ذہنوں میں اتنی مستحکم ہو جاتی ہیں کہ وہ مظاہر کے پس پردہ کام کرنے والے محقق سمجھنے لگتے ہیں اور ان کا ذہن مشیت الہیہ کے اسرار و رموز کو براہ راست دیکھتا اور سمجھتا ہے اور پھر وہ قدرت کے رازدار بن جاتے ہیں۔ ان روحانی مدارج کے دوران ایک مرحلہ ایسا آتا ہے کہ ان حضرات کا ذہن، ان کی زندگی اور زندگی کا ایک ایک عمل رضائے الہی کے تابع ہو جاتا

(۲۲۱) ایک چینی نے جلیل القدر پیغمبر اور عظیم انسان بادشاہ حضرت سلیمانؑ کے شکر کی دعوت کی۔ آپ کے لشکر میں انسانوں کے علاوہ جنات، پرند، پرند، درند بھی شامل تھے۔ ہواؤں اور موسموں پر بھی آپ کی حکومت تھی۔ میزبان چینی کو حضرت سلیمانؑ نے اٹھا کر اپنی تھیلی پر رکھ لیا اور پوچھا: بتائیں سلطنت بڑی ہے یا میری؟ چینی نے کہا: کس کی سلطنت پر عظمت ہے یہ بات تو اللہ کو معلوم ہے مگر میں یہ جانتی ہوں کہ اس وقت میرا تخت سلیمان کا ہاتھ ہے۔

(۲۲۲) محبت سرا یا اخلاص ہے، نفرت مجسم غم و غضب اور انتقام کے خدو خال پر مشتمل ہے۔ عقیدہ بھی نفرت کی ایک شکل ہے۔ قرآن کہتا ہے: جو لوگ غصہ کو کھاتے ہیں اور لوگوں کو مصائب کر دیتے ہیں، اللہ ایسے احسان کرنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے۔ نفرت کا ایک پہلو تعصب بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص تعصب پر جیا اور مرادہ مجھ سے نہیں ہے۔ تعصب کرنے والا بندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے محروم رہتا ہے۔

(۲۲۳) زمین کا ہر ذرہ آدم کی تصویر کا عکس ہے لیکن یہی ایک ذرہ جب شکل اور مجسم ہو جاتا ہے تو فنا کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔ آدمی مٹی میں دفن ہو کر پھر مٹی بن جاتا ہے۔ مٹی کے ذرات بولہ بولے کے ساتھ پھر شکل اور مجسم ہو جاتے ہیں اور پھر فنا کے راستے پر چل کر مٹی میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ تحلیل نفسی کے اس مسلسل اور متواتر عمل سے آدمی کے اندر مٹی کی جھٹائیں برداشت کرنے کی سکت پیدا ہو جاتی ہے۔

(۲۲۴) کیسی عجیب بات ہے کہ بندہ اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ، اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ اور اپنی پوری دانائی کے ساتھ فتنوں سے قریب ہونا اپنے لئے سعادت سمجھتا ہے۔ یاد رکھیے ہر وہ چیز جو عارضی ہے حقیقت نہیں ہوتی اور جو چیز حقیقی نہیں ہے وہ حق سے قربت حاصل نہیں کر سکتی۔ سال ہو یا اولاد یہ سب عارضی تصویریں ہیں۔ بندہ جب ان عارضی تصویروں کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیتا ہے تو یہ سب اس کے لئے مصیبت اور فتنہ بن جاتی ہیں۔

(۲۳۵) یہ بھری پُری دنیا ایک طلسم کردہ ہے۔ اس میں ایسا جادو ہے کہ اس کو سمجھنا سہی، مگر نہ تو اسے والی عقل کے بس کی بات نہیں۔ غور کیا جائے تو ساری دنیا مٹی کا ایک کھلونا ہے جس کا مقدر بالآخر ٹوٹ کر بکھر جانا ہے۔
 پائندہ زندگی کی حقیقت شراب کے ایک گھونٹ کی ہے، مل گیا تو قبضہ اور نہ بھی ملا تو کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ شراب چاہیے جس کا ایک گھونٹ مجھے ٹائم سپیس کی قید و بند سے آزاد کر دے۔

(۲۳۶) دوستوں کی صحبت میں بیٹھ کر وہی رجحانات اور خیالات پیدا ہوتے ہیں جو دوستوں میں کام کر رہے ہیں۔ قلبی لگاؤ اسی سے بڑھانا چاہیے جس کا ذوق اذکار و خیالات اور دوڑ دھوپ اسوہ حسنہ کے مطابق ہو۔ دوستوں پر اعتماد کیجئے، انہیں افسردہ نہ کیجئے۔ ان کے درمیان ہشاش بشاش رہیے۔ دوستی کی بنیاد خلوص، محبت اور رخصت سے الہی پرہیزی چاہیے نہ کہ ذاتی اغراض پر۔ ایسا روٹیہ اپنائیے کہ دوست آپ کے پاس بیٹھ کر مسرت زندگی اور کشش محسوس کرے۔

(۲۳۷) اسے آدم زاد! اپنے حافظہ کی اسکرین پر پڑے ہوئے پردوں کو چاک کر دے اور اندر جھانک۔ کیا تجھے وہ سہانا زمانہ یاد نہیں آتا جب تو آزاد فضاؤں (جنت) میں سانس لیتا تھا۔ بھوک پیاس کی تکلیف تھی نہ دھوپ تجھے ستاتی تھی۔ نہ کوئی ڈر تھا نہ پریشانی۔ ملال کیا ہے تو اس سے واقف نہ تھا۔ جہاں سے دل چاہے خوش ہو کر کھاتا تھا۔ زمانی مکانی فاصلے تیرے پیر کی زنجیر نہ تھے۔ خوشی سے شراب بھی ک طرح لالچائی و مستوں میں تیری پرواز زبان زد ملا نہ تھی۔

(۲۳۸) ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے جب گلشن زندگی پر خنداں کا پہرا تھا۔ ہر طرف سکوت و انجماد تھا۔ وقت، حرکت اور بے چینی ایک دوسرے سے نا آشنا تھے۔ خدا نے جاہک تنہائی ختم ہو اور سکوت حرکت میں تبدیل ہو جائے، مخلوقات کا ظہور ہو تاکہ اس کی قدرت اور ربوبیت کا مظاہرہ ہو اور مخلوق اس کی عظمت، حکمت اور صنائی کو دیکھے اور اس کو پہچانے۔ خدا کا ارادہ صدائے کُن "بن کر گونجا، زندگی نے انگریزی لی اور حرکت کا آغاز ہوا۔

(۲۴۹)

المنہ تویہ ہے کہ قرآن کے مفہوم کے بارے میں بھی مسلمان متفق نہیں ہیں۔ ایک ایک آیت کی تاویل میں بے شمار اقوال ہیں اور ان اقوال میں سے اکثر ایک دوسرے کے متضاد ہیں جب کہ مفسرین کرام کے پاس کوئی سند ایسی نہیں ہے جس کی بنیاد پر فیصلہ کیا جاسکے کہ ان میں سے کس کا قول حق ہے۔ اس طرز عمل کا نتیجہ نکلا کہ اختلاف کا پود اتنا ور، گھٹنا اور لیٹا درخت بن گیا یا کل جود درخت ایسا تھا جس کے نیچے بمشکل چند افراد قیام کر سکتے تھے آج اس درخت کے نیچے پوری قوم خواب خرگوش میں گم ہے۔

(۲۵۰)

ہر تخلیق میں عین مہداریں کام کر رہی ہیں جو ہر نوع کو دوسری نوع سے، ہنسر و کوہ دوسرے فرد سے ممتاز کر دیتی ہے۔ مٹی کے ذرات ایک ہی ہیں لیکن ان ذرات کی مقداروں میں رد و بدل سے طرح طرح کی تخلیق وجود میں آرہی ہے۔ مٹی کے یہ ذرات کہیں سر و سمن، کہیں کوہ و دمن اور کہیں خوش الحان پرند بن جاتے ہیں اور جب بظاہر مٹی کے یہ بے جان ذرات زندگی کو اپناتے ہیں تو رنگ رنگ کائنات میں رنگینی بکھر جاتی ہے۔

(۲۵۱)

انبیائے کرام کا مشن یہ رہا ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق کی ذہنی تربیت اس نہج پر کریں کہ ان کے اندر آپس میں بھائی چارہ ہو، ایثار ہو، خلوص ہو اور وہ ایک دوسرے کے کام آئیں۔ جس معاشرے میں خلوص اور محبت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے وہ معاشرہ پرسکون رہتا ہے اور جس معاشرے میں بے لگائی اور نفرت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے اس معاشرے کے افراد ذہنی خلفشار اور عدم تحفظ کے احساس میں مبتلا رہتے ہیں اور سبک سبک کر مر جاتے ہیں۔

(۲۵۲)

رنگ دبو کی اس دنیا کی طرح ایک اور دنیا بھی ہے جو مرنے کے بعد ہمارے اوپر روشن ہوتی ہے۔ ہم کتنے بد نصیب ہیں کہ ہم نے اس نادیدہ دنیا کی طرف سفر نہیں کیا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ”مر جاؤ مرنے سے پہلے“ پر عمل کر کے اگر ہم اس دنیا سے روشناسی حاصل کر لیں تو اس بات کی توقع کی جاسکتی ہے کہ ناشاد و نامراد زندگی کو مسرت و شادمانی میسر آجائے گی۔

(۲۵۵) جو قوم دولت پرستی میں مبتلا ہو جاتی ہے، ذلیل و خوار ہو جاتی ہے۔ یہ کوئی کہانی نہیں ہے۔ زمین پر اس کی شہادتیں موجود ہیں۔ بڑی بڑی سلطنتوں اور مملکتوں کے مالک، ان کے عالی شان مملکت آج کنکڈرات کی شکل میں زمین پر جگہ جگہ موجود ہیں۔ کیا یہ لوگ زمین پر گھوم پھر کر نہیں دیکھتے کہ پہلی اقوام کا انجام کیا ہوا۔ وہ لوگ قوت اور تہذیب و تمدن میں ان سے برتر تھے لیکن اللہ نے انہیں ان کے گناہوں کی سزا میں پکڑ لیا اور انہیں کوئی نہیں بچا سکا۔

(۲۵۶) کسی عاقل، بالغ اور باشعور آدمی کو اگر یہ معلوم نہ ہو کہ اس کے ماں باپ کون ہیں تو وہ کتنا ہی ذہین اور قابل کیوں نہ ہو اس کے اوپر احساس محرومی مسلط ہو جاتا ہے۔ احساس محرومی انسانی زندگی میں ایسا بڑا اخل ہے کہ جس سے انسان دماغی مریض بن جاتا ہے۔ ہم اس بات سے تو قوت رکھتے ہیں کہ ہمارا وجود ہے لیکن اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ ہمارا پیدا کرنے والا کون ہے۔ الہی شے یہ ہے کہ بندہ جس طرح اپنے ماں باپ سے واقف ہے اسی طرح اپنے خالق سے بھی واقف ہو۔

(۲۵۳) روحانی نقطہ نظر سے جب کوئی بچہ بلبلن مادر سے زمین کی بساط پر آتا ہے تو اس کے اندر پانچ ہزار سال کی عمر گزارنے کے لئے روشنیوں کا ذخیرہ ہوتا ہے، جس کو وہ اپنی نادانی، جھوٹے وقار اور خود سنائی کے اعمال سے اتنا زیادہ خرچ کر دیتا ہے کہ پانچ ہزار سال کی عمر پچاس یا ساٹھ سال کی عمر بن جاتی ہے یعنی پانچ ہزار سال زندہ رہنے والا آدمی اپنی عمر کا اسراف بے جا کر کے پچاس یا ساٹھ سال میں اسے ختم کر دیتا ہے اور مر جاتا ہے۔

(۲۵۲) جسمانی وجود کا انحصار رُوح پر ہے۔ رُوح کا انحصار جسمانی وجود پر نہیں ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ رُوح کے بغیر آدمی کی حیثیت ایک لاش کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ جب تک رُوح گوشت پوست کے وجود سے تعلق رکھتی ہے گوشت پوست کے وجود میں حرکت موجود رہتی ہے اور جب رُوح گوشت پوست کے جسم سے اپنا رشتہ توڑ لیتی ہے تو یہ جسمانی وجود نہ سنتا ہے، نہ بولتا ہے اور نہ محسوس کرتا ہے۔

۲۵۷ ہر شے کا ایک تشخص ہے خواہ ہم اسے غیر مرئی سمجھیں اور کوئی اہمیت نہ دیں۔ جب انسان کسی خواہش کی تکمیل کو اپنا نصب العین بنالیتا ہے تو وہ حقیقت وہ اس کے تشخص کو اپنے اوپر مسلط کر لیتا ہے۔ اگر انسان کا مسلط نظر ذاتی مفاد ہے تو وہ خالی جسم میں مقید ہو جاتا ہے جہاں تکلیف ہے، اندھیرا ہے۔ وہ اس تشخص کے طول و عرض میں بند رہتا ہے، باہر نہیں نکل سکتا۔ تیرہ دن ایک قید خانے میں بند قیدی کی طرح اس کا رابطہ وسیع و عریض مادی اور رنگین دنیا سے باقی نہیں رہتا۔

۲۵۸ اگر انسان کے اندر خود سکون ہے وہ دوسروں کے لئے بھی طماعت قلب کا ذریعہ ہے۔ اس کا عکس ٹھنڈا اور عطرینہ ہے تو اس کی رُوحانی کیفیات حقیقی ہیں اور اگر انسان خود سکون سے دُور ہے اور اس کے اوپر غم کے بادل پھلے رہتے ہیں تو وہ خوف اور ڈر کے خشک اور بے آب و گیاہ پہاڑوں کے دامن میں کراہ رہا ہے۔ یہ کیفیت شیطانی الہام ہے اور اس کی ساری زندگی دھوکا ہے۔

۲۵۹ قدرت اپنے پیغام کو پہنچانے کے لئے دیئے سے دیا جلاتی رہتی ہے۔ معرفت کی مشعل ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ آخر یہ قطب، غوث، ولی، ابدال، صوفی، مجذوب اور قلندر سب کیا ہیں۔ یہ قدرت کے وہ ہاتھ ہیں جو روحانی روشنی کی مشعل لے کر چلتے رہتے ہیں۔ اس روشنی سے اپنی ذات کو بھی روشن رکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی روشنی کا انعکاس دیتے ہیں۔

۲۶۰ استغنا ایک ایسی طرز فکر ہے جس میں آدمی فانی اور مادی چیزوں سے ذہن ہٹا کر حقیقی اور لافانی چیزوں میں غور کرتا ہے۔ یہ فکر جب قدم قدم چلا کر کسی بندے کو غیب میں داخل کر دیتا ہے تو سب سے پہلے اس کے اندر یقین پیدا ہوتا ہے جیسے ہی یقین کی کرن دماغ میں چھویتی ہے غیب کی دنیا آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔

۲۶۱ بڑائی صرف اس کو زیب دیتی ہے جو اپنے اندر ٹھانٹیں مارتے ہوئے اللہ کی صفات کے سمندر کا عرفان رکھتا ہو، جو اللہ کی مخلوق کے کام آئے کسی کو اس کی ذات سے نیکف نہ ہو۔

(۲۶۲) ہم علم الکتاب حاصل کر کے زمان و مکان یعنی TIME & SPACE کی گرفت کو توڑ سکتے ہیں۔ قرآن کے علوم جاننے والا بندہ وسائل کے بغیر خلا میں پرواز کرنے اور ایک جگہ سے دُور دراز دوسری جگہ کسی چیز کو منتقل کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں موجود تمام اشیاء اس ہی بندہ کے لئے مسخر ہوتی ہیں۔

(۲۶۳) اگر آپ اپنے اللہ، اپنے خالق سے متعارف ہو کر اس کی قربت اختیار کر کے کائنات پر اپنی حاکمیت قائم کرنا چاہتے ہیں تو اللہ کی مخلوق کی خدمت کو اپنا شعار بنالیں۔ بلاشبہ اللہ کی مخلوق سے محبت رکھنے والے لوگ اللہ کے دوست ہیں اور دوست پر دوست کی نوازشات و کرامات کی ہمیشہ بارش ہوتی رہتی ہے۔

(۲۶۴) برائی اور بھلائی کا جہاں تک تعلق ہے کوئی عمل دنیا میں بُرا ہے نہ اچھا ہے۔ دراصل کسی عمل میں معافی پہنانا اچھائی یا بُرائی ہے۔ معافی پہناتے سے مراد نیت ہے۔ عمل کرنے سے پہلے انسان کی نیت میں جو کچھ ہوتا ہے وہی خیر یا شر ہے۔

(۲۶۵) تمام نوع انسانی کی تاریخ میں لاکھوں باتیں کرنے والے حکمران، فلسفی، ہیئت داں، طبیعاتی ماہرین وغیرہ پیدا ہوئے اور کچھ نہ کچھ کہتے رہے۔ ان میں اختلاف رائے تھا، کیوں؟ اس لئے کہ حقیقت تک کوئی نہیں پہنچا۔ حقیقت صرف ایک ہو سکتی ہے، ہزاروں لاکھوں نہیں ہو سکتیں۔ اگر یہ لوگ حقیقت سے واقف ہو جاتے تو اختلاف رائے ہرگز نہیں ہوتا۔

(۲۶۶) قیامت کے روز یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ ہم نے اپنی اولاد کو کس قسم کے کھانے کھلائے اور کیا لباس پہنایا تھا۔ وہاں پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنی اولاد کی تربیت کیسے کی تھی؟ صحیح تربیت کرنے والے والدین سرفراز ہوں گے اور بری وہ لوگ ہیں جو انعام یافتہ ہیں۔

(۲۶۷) پاکیزہ نفس اور رُوحانیت سے سرشار لوگوں کی محبت بندے کو خود شناسی سے قریب کرتی ہے۔ یہ کون لوگ ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو آپس میں خدا کی خاطر محبت کرتے ہیں۔ بلاشبہ محبت آخرت کی نجات ہے۔

۲۴۸ فطرت اور جبلت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ جبلت میں ہمارا دوسری نوعوں مثلاً بھیڑ، بکری، گائے، بھینس، کتے، بلی، سانپ، کبوتر، فاختہ وغیرہ کے ساتھ ذہنی اشتراک ہے اور فطرت میں ہم اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ یہ مقام ہمیں ایک ہستی نے جو تمام نوعوں سے ماوراء ہے اور تمام افراد کائنات پر فضیلت رکھتی ہے عطا کیا ہے اور یہ عطا ایک فاضل عقل یا تفکر کرنے کی صلاحیت ہے۔

۲۴۹ ہماری زندگی محض دنیا کے حصول تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ ہماری عبادتیں بھی دکھاوے اور دنیاوی کبتیں سمیٹنے کے لئے مخصوص ہو گئی ہیں۔ سبہم اعمال کے ظاہری پہلو کو تو بہت اہمیت دیتے ہیں مگر باطن میں بہتے ہوئے علم و آگہی کے سمندر میں سے ایک قطرہ آب بھی نہیں پیتے۔

۲۵۰ سب سے بہترین دوست انسان کا اپنا من ہے۔ جس نے من کو سمجھ لیا اور من کے اندر اپنی مورتی کو دیکھ لیا وہ دوست سے واقف ہو گیا اپنی وہ خود اپنا دوست بن گیا۔

۲۵۱ خلا سے اس پار آسمانوں کی دستوں میں جھانک کر دیکھا جائے تو مایوسیوں، ناکامیوں اور ذہنی امتلا س کے سوا ہمیں کچھ نظر نہیں آتا۔ یوں لگتا ہے کہ زمین کے باسیوں کا اپنی ذات سے فرار اور منفی طرز عمل دیکھ کر نیلے پرست پر جھلجھل کرتے ستاروں کی شمع اُمید کی تومد مٹ چکی ہے۔ وہ انسان جو انشرف مخلوق ہونے کا دعویٰ کرتا ہے ذہنی اعتبار سے حیوانات سے بدتر زندگی گزار رہا ہے جو سکون ایک بلی اور بکری کو حاصل ہے اس کا عشر عشر بھی انسان کو میسر نہیں۔

۲۵۲ یہ ساری کائنات ایک ایسے ڈرامہ ہے۔ اس ایسے پر کوئی باب ہے، کوئی مال ہے، کوئی لٹچ ہے، کوئی دوست ہے، کوئی دشمن ہے، کوئی گناہ گار ہے، کوئی پاکباز ہے۔ دراصل یہ ایسے پر کام کرنے والے کرداروں کے مختلف روپ ہیں۔ جب ایک کردار یا سب کردار ایسے سے اُتر جاتے ہیں تو سب ایک ہو جاتے ہیں اور ان کے اوپر سے دنیا کی دوئی کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے۔

(۲۸۲) یہ عجیب و غریب راز ہے کہ پوری کائنات کے افراد اطلاعات اور خیالات میں ایک دوسرے سے ہم رشتہ ہیں۔ البتہ اطلاعات میں معنی پہنانا الگ الگ وصف ہے۔ بھوک کی اطلاع شیر اور بکری دونوں میں موجود ہے لیکن بکری اس اطلاع کی تکمیل میں گھاس کھاتی ہے اور شیر بھوک کی اس اطلاع کو پورا کرنے کے لئے گوشت کھاتا ہے۔ بھوک کے معاملے میں دونوں کے اندر قدر مشترک ہے۔ بھوک کی اطلاع کو الگ الگ معنی پہنانا دونوں کا جدا گانہ وصف ہے۔

(۲۸۳) دین کی دعوت اور روحانی علوم کی اشاعت کے لئے مقور اکام کیجئے لیکن مسلسل کیجئے۔ لوگوں کو روحانی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کی دعوت دیجئے اور اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات، تکالیف اور آزمائشوں کا خندہ پیشانی سے استقبال کیجئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالی مقام ہے ”بہترین عمل وہ ہے جو مسلسل کیا جاتا ہے چاہے وہ کتنا ہی مقور ہو“

(۲۸۴) آسمانی مصائف میں بتایا گیا ہے کہ وسائل پر کمرانی یہ ہے کہ ارادہ کے ساتھ وسائل حرکت میں آجاتے ہیں۔ ارادہ کیا ہے؟ ارادہ رُوح کی لامتناہی تخلیقی صفات کا مظاہرہ ہے۔

(۲۸۵) مستزین کی حقیقی تعلیم اور مسلمانوں کے عمل میں بہت بڑا نقصان واقع ہو چکا ہے۔ قرآن جس راہ کا تعین کرتا ہے اور مسلمان جس راہ پر چل رہا ہے یہ دونوں دو ایسی لیکریں ہیں جو آپس میں کبھی نہیں ملتیں۔

(۲۸۶) جس طرح ستارے اور زمین گردش میں ہیں، کائنات کا ایک ایک ذرہ متحرک ہے۔ انسان جس کے لئے یہ ساری کائنات تخلیق کی گئی ہے وہ بھی ہر لمحہ اور ہر آن جذبات و احساسات کی دنیا میں رو ویدل ہو رہا ہے۔

(۲۷۸) کچھ نہ تھا، اللہ تھا۔ جب اللہ نے چاہا بشمول کائنات ہمیں تخلیق کر دیا۔ تخلیق کی بنیاد (BASE) اللہ کا چاہنا، اللہ کا ذہن ہے مطلب یہ ہوا کہ ہمارا اصل وجود اللہ کے ذہن میں ہے۔

(۲۷۹) لازوال ہستی اپنی قدرت کا فیضان جاری و ساری رکھنے کے لئے ایسے بندے تخلیق کرتی رہتی ہے جو دنیا کی بے ثباتی کا درس دیتے رہتے ہیں۔ خالق حقیقی سے تعلق قائم کرنا اور آدم زاد کو اس سے متعارف کرانا ان کا شہنشاہ ہے۔

(۲۸۰) کسی سے توقع نہ رکھی جائے، اس لئے کہ جو بندہ کسی سے توقع نہیں رکھتا وہ ناامید بھی نہیں ہوتا۔ اُمیدیں توازن کے ساتھ کم سے کم رکھنی چاہئیں اور ایسی ہونی چاہئیں جو آسانی کے ساتھ پوری ہوتی رہیں۔

(۲۸۱) قلندر شعور ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ ہم کائناتی تخلیقی فارمولوں کے تحت اپنے اندر ہر قسم کی غیر مرئی (INVISIBLE) صلاحیتوں کو اپنے ارادے اور اختیار سے متحرک کر سکتے ہیں۔ ایک آدمی جب اپنے اندر دُور کرنے والی بجلی یا نسیم (AURA) سے واقف ہو جاتا ہے تو وہ بجلی کے بہاؤ کو روک بھی سکتا ہے اور اپنے اندر زیادہ سے زیادہ وائج کا ذخیرہ بھی کر سکتا ہے اور اس ذخیرہ سے مادرانی دنیا میں بغیر کسی وسیلے کے پرواز بھی کر سکتا ہے۔ ایک کڑی ٹی کے ذخیرے کے بعد اس کے اندر ایسی سکوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے ارادے اور اختیار سے آسمان اور زمین کے کناروں سے باہر نکل جاتا ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اپنی زمین کی طرح ہلکشاں میں بے شمار زمینیں آجاتی ہیں۔ جس طرح وہ اپنی زمین پر آباد اللہ کی مخلوق کو دیکھتا ہے اسی طرح کھربوں دنیاؤں کا بھی مشاہدہ کرتا ہے۔ جس طرح ایک فلم سیکڑوں ہزاروں اسکرین پر دکھی جاسکتی ہے اسی طرح کائنات کی نمائندگی بوج محفوظ سے دُسیلے (DISPLAY) ہو رہی ہے۔ کائنات میں موجود ہر زمین ایک اسکرین ہے۔ لاشعور بیدار ہو جاتا ہے تو یہ ساری کائنات ایک فلم اور کائنات میں کھربوں زمینیں اسکرین نظر آتی ہیں۔ جو کچھ اس زمین پر ہو رہا ہے بالکل اسی طرح کائنات میں موجود دُور رہتی تمام زمینوں پر بھی یہ نفل ام جاری و ساری ہے۔

(۲۸۲) قدرت کا چلن یہ ہے کہ کوئی غیر معمولی طاقت اسی کو ملتی ہے جو اس کاموزوں استعمال جانتا ہے اور جو لوگ اس قسم کی طاقت حاصل کرنے کے بعد بے جا فخر اور گھمنڈ کے نشے میں غیر اخلاقی اور غیر انسانی حرکات شروع کر دیتے ہیں اُن سے یہ طاقت چھین لی جاتی ہے۔ اس لئے یاد رکھیے کہ سب سے پہلے آپ کے دل میں اپنی شخصی تعمیر اور پھر تعمیر کائنات کا غزم ہونا چاہیے۔

(۲۸۳) تمام مذاہب کی تعلیم عام ہے کہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ امتحان میں کامیابی مسرور اور قوم کے لئے سکون و راحت کا ذریعہ ہے۔ جو فرد یا قوم امتحان میں فیل ہو جاتا ہے، نابالغیت ہم اس کا ٹھکانا ہے۔